

خلع کا نظام

آیتِ خلع کی تفسیر اور خلع کے ضروری احکام ومسائل کا مدلل بیان

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم

(رکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

تصدیق

حضرت مولانا مفتی محمود عالم مظاہری دامت برکاتہم

(استاذ و نائب مفتی مظاہر علوم وقف سہارنپور)

نظرِ ثانی

حضرت مولانا مفتی جسیم الدین قاسمی دامت برکاتہم

(استاذ و مفتی مرکز المعارف، ممبئی)

تصنیف

مولانا ندیم احمد انصاری حفظہ اللہ

ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا

ناشر

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا

تفصیلات

کتاب: خلع کا نظام

تصنیف: مولانا ندیم احمد انصاری

صفحات: 144

قیمت: 120 روپے

تعداد: 500

سنِ اشاعت: 2017ء

ناشر: الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا

ویب سائٹ: afif.in

بہ اہتمام: اردو چینل پبلکیشنز، ممبئ

مطبع: فاطمہ پرنٹرس، ممبئ

ISBN:978-93-5262-504-07

Khula ka Nizaam

written by

Nadeem Ahmed Ansari

Publisher

Al Falah Islamic Faoundation, India.

کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:09022278319

فہرس



انتساب

اس علمی، دینی کاوش کو

میں اپنے بڑے بھائی

محمد خالد انصاری

رحمۃ اللہ علیہ، نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ

جو 7 جمادی الاولیٰ 1438ھ / 5 فروری 2017ء بروز اتوار

نکاح سے قبل ہی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے،

نیز سیّدی و مرشدی

حضرت مفتی احمد خانپوری مدظلہ العالی

(رکنِ شوریٰ دار العلوم دیوبند، مفتیِ اعظم گجرات)

کے نام منسوب کرتا ہوں،

جن کی توجہات اور پدرانہ شفقتوں

نے اس نوع کی خدمات سرانجام دینے کا حوصلہ دیا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام

نصیب فرمائے، اور حضرت مرشدی کے سایہ عاطفت

کو بعافیت تادیر قائم رکھے۔

آمین یارب العالمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین

الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا کی اہم مطبوعات

تعلیمِ اسلام

344 صفحات کی اس کتاب میں اسلام کے بنیادی عقائد، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے احکام ومسائل کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سیرت، روز مرّہ کی سنّتیں اور مسنون دعائیں باحوالہ جمع کی گئی ہیں۔

مومن اور اسلامی سال

352 صفحات کی اس کتاب میں قمری مہینوں سے متعلق فضائل واعمال کو مستند انداز میں پیش کیا اور یہ بتایا گیا ہے کہ کن اوقات میں اسلام نے کن عبادتوں کو مشروع اور کن چیزوں کو بدعت قرار دیا ہے۔

قرآنیات

240 صفحات کی اس کتاب میں درجِ ذیل چھ علمی وتحقیقی رسالے یک جا شائع کیے گئے ہیں: قرآنِ کریم کے حقوق، تلاوتِ قرآنِ کریم کے فضائل ومسائل، ختمِ قرآن کتنے دن میں؟، قرآنِ کریم کے متن وترجمے کے نئے مسائل، قرآنِ کریم کا منظوم ترجمہ: احکام ومسائل اور قرآن خوانی کی رسم: شریعت کی نظر میں۔

رسائلِ ابنِ یامین

400 صفحات کی اس ضخیم کتاب میں اُن دس اہم موضوعات پر مستقل تحقیقی رسالے شائع کیے گئے ہیں، جنھیں غیر مقلدین اکثر موضوعِ بحث بناتے ہیں۔ عنوانات حسبِ ذیل ہیں: ایمان واسلام کی تعریف اور ان کے مابین فرق، وحدۃ الوجود کی حقیقت، استویٰ علی العرش: اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک، ختمِ قرآن کتنے دن میں، نماز میں ہاتھ باندھنے کی صحیح جگہ، تراویح وتہجد: دو مختلف نمازیں، التحقیق النجیح فی صلوٰۃ التسبیح، قربانی محض سنت نہیں واجب ہے، ایامِ قربانی کی صحیح تعداد، شبِ محمود یعنی شبِ براءت کی حقیقت۔

خلع کا نظام

144 صفحات کی اس کتاب میں اسلام میں رائج خلع کے نظام اور اس کے متعلق مسائل کو انتہائی مدلل انداز میں پیش کیا اور معترضین کے جوابات کا دندانِ شکن جواب دیا گیا ہے۔

معارفِ دعوت وتبلیغ

96 صفحات کی یہ کتاب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر معارف القرآن سے ماخوذ ہے، جس میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے متعلق اہم اسلامی ہدایات کو سلیقے سے جمع کر دیا گیا ہے۔

دعائیہ کلمات

سیدی و مرشدی حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم

(رکنِ شوریٰ دار العلوم، دیو بند و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ازدواجی زندگی سے متعلق جو تفصیلی احکام اور ہدایات اسلام میں دی گئی ہیں، اُن میں بہ وقتِ ضرورت رشتۂ نکاح کو ختم کرنے سے متعلق بھی احکامات موجود ہیں، اسی کا ایک باب وہ ہے جس میں عورت کچھ دے کر شوہر سے علاحدگی کا معاملہ کرتی ہے، جس کو 'خلع' کا نام دیا گیا ہے۔

دورِ حاضر کے تقاضوں کے پیشِ نظر اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ شریعت کے نظامِ خلع کو اردو زبان میں اس انداز سے پیش کیا جائے کہ بہ وقتِ ضرورت اس کا مطالعہ پڑھنے والوں کے لیے پورے نظامِ خلع کو سمجھنے کے لیے کافی وشافی ہو، چناں چہ اسی ضرورت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے عزیزِ مکرم مولانا ندیم احمد انصاری حفظہ اللہ (بانی و مؤسِّس الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا) نے ایک معتدل مجموعہ اس موضوع پر تیار فرما کر احقر کے ملاحظے کے لیے پیش کیا، مَیں نے فہرستِ مضامین کے ساتھ جستہ جستہ مقامات سے دیکھا تو بڑا مفید معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرما کر قارئین اور مستفیدین کے حق میں نافع اور مفید بنائے۔ آمین

املاہ احمد خانپوری

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

تصدیق

حضرت مولانا مفتی محمود عالم صاحب مظاہری دامت برکاتہم

(استاذ و نائب مفتی مظاہر علوم وقف سہارنپور)

قرآنِ کریم میں جہاں اُن تمام چیزوں کو بیان کیا ہے گیا ہے، جن سے انسان کو شاہ راہِ ہدایت کی جانب بہ درجۂ اتم رہنمائی ملتی ہے، وہیں عبادات تو عبادات، معاملات و معاشرت وغیرہ کے بھی تفصیلی احکام اور ان سے متعلق وہ ہدایات دی گئی ہیں، جن کو اپنوں کے علاوہ غیر متعصب اغیار نے بھی بہ نظرِ استحسان دیکھا ہے۔ من جملہ ان کے 'خلع کا نظام' بھی ہے، اور اسی موضوع پر حضرت مولانا ندیم احمد انصاری صاحب زید مجدکم کی زیرِ نظر تالیف ہے، جسے میں نے باوجود دیگر مصروفیات کے از اوّل تا آخر اہتمام وشوق سے دیکھا ہے۔ جس میں مؤلف نے ابتداءً خلع کا مفہوم، اس کی تاریخ، معتمد مفسرین کے حوالوں سے آیتِ خلع کی تفسیر، اس کا طریقہ اور تمام مندرجات کا شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں بالتفصیل جائزہ لیا، نیز خلع سے متعلق غلط فہمیوں اور باطل کے پروپیگنڈوں کا سدِّ باب کیا ہے، اور طلاق و خلع کو منصفانہ اور حکیمانہ نظام ثابت کر کتابِ ہٰذا کی افادیت کو دوچند کر دیا ہے، اس کے بعد خلع سے متعلق تمام ضروری مسائل کو یکجا کرنے کی عمدہ کوشش فرمائی ہے۔

موصوف کی متعدد علمی و دینی کاوشیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں، امید کہ دیگر تصانیف کی طرح ان شاء اللہ کتابِ ہٰذا بھی اوساطِ علمیہ میں ایک قیمتی سوغات کی حیثیت حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو ہر عام وخاص کے لیے نافع اور مؤلفِ موصوف کے لیے ذریعۂ نجات بنائے، نیز مؤلفِ موصوف کو مزید علمی و فکری کاموں کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

العبد محمود عالم عفی عنہ

مظاہرِ علوم (وقف) سہارنپور، شب ۹/ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ

تاثرات

حضرت مولانا مفتی جسیم الدین قاسمی دامت برکاتہم

(استاذ و مفتی مرکز المعارف، ممبئی)

اس وقت میرے پیشِ نظر ”خلع کا نظام“ حضرت مولانا ندیم انصاری صاحب کی تازہ تصنیف ہے۔ یہ کتاب اردو میں اپنے طرز کی منفرد تصنیف ہے، جس میں خلع سے متعلق تقریباً تمام پہلوؤں کا خوب باریک بینی سے تحقیقی انداز میں جائزہ لیا گیا ہے، اور براہِ راست قرآن مجید کی آیات واحادیثِ مبارکہ کو پیش کرنے کے بعد مصنف نے اپنی طرف سے کسی مسئلے کی وضاحت کے بجائے اکابر علما وفقہا کی عبارتوں کو پیش کر کے کتاب کی اہمیت اور استناد و معتبریت میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا ہے۔ اسّی سے زائد قیمتی عناوین پہ مشتمل اس علمی ذخیرے کو میں وقت فارغ کر کے بنظر غایر دیکھا، الحمدللہ اس موضوع پر یہ کتاب ایک جامع علمی مجموعہ ہے، جس کا اندازہ درجِ ذیل چند عناوین سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے: مصالحت کی کوشش، اسلام میں پہلا خلع، آیتِ خلع، خلع کی مشروعیت، بلا وجہ خلع کا مطالبہ، اسبابِ خلع، خلع کے ارکان، جدید آلات کے ذریعے خلع، الفاظِ خلع، خلع میں وکالت، خلع میں اتحادِ مجلس کی شرط، تحریری خلع، عدالت میں خلع وغیرہ وغیرہ۔

میرے علمی دوست حضرت مولانا ندیم انصاری صاحب ہندستان کے نوجوان علمائے کرام کے درمیان اپنی تصنیفی خدمات کی وجہ سے اپنا نمایا مقام رکھتے ہیں، ہند و بیرونِ ہند کے اخبارات و مجلات میں آپ کے مضامین و نگارشات کئی سالوں سے مسلسل شائع ہوتی رہتی ہیں، وزادہ اللہ علماً واجراً۔ قابل غور امر یہ بھی ہے کہ یہ علمی تصنیف اس وقت منظر عام پر آرہی جب کہ ملک بھر میں گذشتہ کئی مہینوں سے اسلامی نظامِ طلاق پر ایک بحث چھڑی ہوئی ہے، اس لیے امید ہے کہ یہ کتاب اسلام کے عادلانہ عائلی نظام کو سمجھنے میں کافی معاون اور تشنگانِ علم کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ثابت ہوگی نیز اس تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بروقت اسلام کی اہم خدمت ہے۔ باری تعالیٰ موصوف کو اس خدمت پر اجرِ عظیم سے نوازے اور اس کتاب کو امت کے لیے بے حد مفید بنائے، آمین۔

جسیم الدین قاسمی (24 ربیع الثانی، 1434ھ)

حرفِ آغاز

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد:

کچھ عرصے قبل بعض علم دوستوں میں خلع کے مسائل پر گفتگو ہوئی، جس کے بعد راقم الحروف کو حکم دیا گیا کہ اردو زبان میں اس اہم ترین موضوع پر مستقل کتاب لکھی جائے۔ ان دوستوں کا حکم ایسا نہ تھا جسے ٹالا جا سکتا، اس لیے اپنی بے مایگی و کم علمی کے باوجود بہ نامِ خدا لکھنا شروع کیا اور آٹھ دس دنوں میں ایک کتاب منصہ شہود پر آ گئی، جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، لیکن دیگر علمی و تصنیفی کاموں میں نظرِ ثانی کا موقع بہت دنوں بعد میسّر آیا۔ پھر جس دن فائنل سیٹنگ کرنے کے لیے بیٹھے تو یہ حادثہ رونما ہوا کہ پوری فائل کرپٹ ہوگئی، میرے ایک عزیز شاگرد نے گھنٹوں صَرف کیے، لیکن اس فائل کی بازیافت نہ ہوسکی اور بالآخر پوری کتاب کی ازسرِ نو کتابت کروانی پڑی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے اس پر ہمیں کتاب پر دوہرے اجر کی امید ہے۔

کتاب کا موضوع نہایت اہم ہے، اس لیے ہم نے حضرت مولانا مفتی محمود عالم صاحب مظاہری مدظلہ سے درخواست کی کہ پوری کتاب بالاستیعاب دیکھیں، اسی طرح صدیقِ مکرم حضرت مولانا مفتی جسیم الدین قاسمی صاحب کو بھی زحمت دی گئی، لیکن ہر دو حضرات نے محبت کا معاملہ فرمایا اور اپنے قیمتی وقت میں سے اس اہم کام کے لیے وقت نکال کر شاد فرمایا۔ جب سیدی و مرشدی حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم کی خدمت میں مسودہ پیش کیا گیا اور حضرتِ والا نے شفیق باپ کی طرح دعاؤں سے نوازا، اس پر حاصل ہونے والی خوشی کو بیان کرنے کے لیے ہمارے پاس الفاظ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اس کا بہترین بدلہ اپنے شایانِ شان نصیب فرمائے، اور مصنف کو قیامت میں سرخ رو اور اس کتاب کو قبولِ عام عطا فرمائے۔ آمین

العبد ندیم احمد انصاری

(خادم الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا)

8 صفر 1438ھ، 9 نومبر 2016ء

تفسیر آیتِ خلع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مصالحت کی کوشش کی ضروری

واضح رہے کہ اسلام کے مطابق نکاح ایک ایسا رشتہ ہے جسے باقی رکھنے کی ہر ممکن کوشش لازم ہے، تفریقِ زوجین خواہ کسی طریقے سے ہو اسلام میں ضرورت کے تحت مشروع ہیں، اگر کبھی زوجین میں ناچاقی اس حد تک بڑھ جائے کہ تفریق کا اندیشہ ہونے لگے، اس سے قبل باہم مصالحت کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا، إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا، إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا۔

(النساء:35)

اور اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لیے) ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا فرما دے گا۔ بے شک اللہ کو ہر بات کا علم اور ہر بات کی خبر ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں خطاب عام امتِ اسلامیہ کو ہے اور حکام اور اہلِ حل وعقد کو بدرجۂ اولیٰ۔

الخطاب کما قال ابن جبیر و الضحاک وغیرھما للحکام(روح)۔**و قال اخرون المراد کل واحد من صالحی الامۃ**(کبیر)۔**خطاب لجمیع المومنین**(کبیر)۔

بینھما۔یعنی میاں بیوی کے درمیان۔

شقاق۔یعنی ایسی کشمکش جسے وہ باہم نہ سلجھا سکیں۔

امت اور افراد امت کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے، افراد کے باہمی اور خانگی مناقشوں سے معاشرۂ اسلامی کا دامن بالکل الگ اور بے تعلق نہیں کہ افراد ہی کی صالحیت پر امت کی صالحیت کا مدار ہے، آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ افراد کی خانگی نزاعوں کو امت اپنا ہی معاملہ سمجھے۔

ان خفتم۔خوف یہاں بھی علم کے معنی میں ہے۔**والمراد فان علمتم کما قال ابن عباس رضی اللہ عنھما** (روح)۔**و الخوف بمعنی الیقین وقیل ھو بمعنی الظن یعنی ان ظننتم شقاقا بینھما** (معالم)۔جو تصفیے کی اہلیت رکھتے ہوں وہ جا کر تحقیقِ حال کریں۔

فابعثوا۔یعنی تصفیے کی غرض سے ان دو حکموں کو ان میاں بیوی کے پاس بھیجو، میاں بیوی میں نزاع ہونے میں یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ فوراً طلاقم طلاق ہو جائے یا اور کسی ایسی ہی شدید کاروائی کی نوبت آ جائے، بلکہ پہلے یہ کوششِ مصالحت ومفاہمت کی کر لی جائیں۔رشتۂ ازدواج ایک اہم ترین رشتہ ہے، اس پر بے پروائی سے ضرب نہیں لگائی جا سکتی۔

'ان یریدا' میں ضمیر تثنیہ دونوں حکموں کی جانب ہے اور (آیت) 'بینھما' میں زوجین کی جانب۔ الضمیر الاول للحکمین و الضمیر الثانی للزوجین (بیضاوی)۔ و الضمیر فی ان یریدا للحکمین و فی بینھما للزوجین (مدارک)۔ ہوسکتا ہے کہ دونوں موقعوں پر ضمیریں زوجین ہی کے لیے ہوں، و قیل کلاھما للزوجین (بیضاوی)۔ او الضمیر ان للزوجین (مدارک)۔

'ان یریدا اصلاحا'۔ یعنی اگر اخلاص و دیانت کے ساتھ نیت مصالحت و مفاہمت کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نیت میں برکت ضرور دے گا اور قلب کی صفائی کی کوئی صورت نکال دے گا۔

فقیہِ تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا واجب ہے، اگر زوجین حکام سے رجوع کریں، اور دوسروں کے لیے مستحب ہے اور من اھلہ و اھلھا کی قید سب کے لیے مستحب ہے۔ (تفسیرِ ماجدی:226، پاک کمپنی، لاہور)

اسلام کا پہلا خلع

امام ابن جریر نے حضرت عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا:

خلع کی اصل کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں پہلا خلع عبداللہ بن ابی کی بہن کا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا سر اور ان کا سر کبھی جمع نہیں ہوسکتے۔

میں نے پردہ اٹھایا تو میں انھیں مَردوں کے ایک گروہ میں آتے ہوئے دیکھا۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ سیاہ اور کوتاہ قد اور بدصورت تھے۔

ان کے خاوند نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے (بہ طور مہر) اپنا بہترین مال دیا تھا یعنی اپنا باغ، کیا یہ وہ باغ واپس کرے گی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم کیا کہتی ہو؟

انھوں نے کہا: وہ باغ بھی واپس کر دوں گی اور اگر چاہے تو کچھ زیادہ بھی دے دوں گی۔

راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دونوں کے درمیان جدائی کروادی۔

وأخرج ابن جرير عن عكرمة، أنه سئل هل كان للخلع أصل؟ قال: كان ابن عباس يقول: إن أول خلع كان في الإسلام في أخت عبد الله بن أبي، أنها أتت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقالت: يا رسول الله لا يجمع رأسي شيء أبداً، إني رفعت جانب الخباء فرأيته أقبل في عدة، فإذا هو أشدهم سواداً، وأقصرهم قامة، وأقبحهم وجهاً. قال زوجها: يا رسول الله إني أعطيتها أفضل مالي: حديقة لي، فإن ردت علي حديقتي؟ قال: ما تقولين؟ قالت: نعم، وإن شاء زدته. قال: ففرق بينهما۔ (الدر المنثور: 2/678، مركز هجر للبحوث والدراسات العربية والاسلامية)

کہا جاتا ہے کہ وہ ان سے انتہائی بغض رکھتی تھیں اور وہ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان خلع کے ذریعے تفریق کروادی۔

فيقال: إنها كانت تبغضه أشد البغض، و كان يحبها أشد الحب، ففرق رسول الله ﷺ بينهما بطريق الخلع۔ (القرطبی: 3/77)

علامہ بیہقی نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میری بہن نے اپنے خاوند سے خلع کا ارادہ کیا اور وہ اپنے شوہر کو لے کر حضرت نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور اپنا مسئلہ ذکر کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کا باغ واپس کر دوگی تا کہ وہ تجھے طلاق دے دے؟

انھوں نے کہا: وہ باغ بھی واپس دے دوں کی اور کچھ زیادہ بھی دوں گی۔

اس طرح انھوں نے ان سے خلع کر لیا اور انھیں ان کا باغ بھی واپس کر دیا اور کچھ زیادہ بھی دیا۔

أرادت أختي أن تختلع من زوجها، فأتت النبي ﷺ مع زوجها، فذكرت له ذلك، فقال لها: أتردين عليه حديقته ويطلقك؟ قالت: نعم، وأزيده. فخلعها فردت عليه حديقته وزادته۔ (الدر المنثور: 2/679، البیہقی: 7/314)

ایک روایت میں ہے: ایک دن آں حضرت ﷺ صبح صادق کے شروع میں نماز کے لیے نکلے تو آپ ﷺ نے حضرت حبیبہ کو دروازے کے نزدیک پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کون ہو؟

انھوں نے عرض کیا: میں حبیبہ بنت سہل ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا ہوا ہے، کس وجہ سے آئی ہو؟

حضرت حبیبہ نے فرمایا: میرے اور میرے شوہر ثابت بن قیس کے درمیان نباہ نہیں رہتا۔

جب ثابت بن قیس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ حبیبہ بنت سہل کچھ بیان کر رہی ہیں، جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا ان کی زبان سے نکلا۔

یہ سن کر حبیبہ بولیں: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس نے جو کچھ مجھ سے کو دیا وہ میرے پاس موجود ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت بن قیس سے فرمایا: لے لو یعنی تم ان سے اپنی چیز واپس لے لو۔

چناں چہ حضرت ثابت بن قیس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہ چیز ان سے واپس لے لی اور حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں میں بیٹھ گئیں (اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے گھر سے چلی گئیں یعنی خلع لے لیا)۔

عَنْ حَبِيبَةَ بِنْتِ سَهْلٍ: أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، وَأَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَرَجَ إِلَى الصُّبْحِ، فَوَجَدَ حَبِيبَةَ بِنْتَ سَهْلٍ عِنْدَ بَابِهِ فِي الْغَلَسِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنْ هَذِهِ؟ قَالَتْ: أَنَا حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: مَا شَأْنُكِ؟ قَالَتْ: لَا أَنَا، وَلَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ لِزَوْجِهَا، فَلَمَّا جَاءَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، قَالَ لَهُ رَسُولُ

اللهﷺ: هَذِهِ حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ، قَدْ ذَكَرَتْ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَذْكُرَ، فَقَالَتْ حَبِيبَةُ: يَا رَسُولَ اللهِ، كُلُّ مَا أَعْطَانِي عِنْدِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِثَابِتٍ: خُذْ مِنْهَا، فَأَخَذَ مِنْهَا، وَجَلَسَتْ فِي أَهْلِهَا۔ (نسائی: 3462، ابوداود: 2227، تحفۃ الأشراف: 15792، دارمی: 2317)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے؛ حبیبہ بنت سہل حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے نکاح میں تھیں، انھوں نے انھیں مارا اوران کا ہاتھ توڑ دیا۔ وہ صبح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور اپنے خاوند کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت کو بلایا اور فرمایا: اس کا کچھ مال لے لے اور اسے جدا کر دے۔

انھوں نے عرض کیا؛ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کیا یہ صلح ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت ثابت نے کہا؛ میں نے اسے دو باغ بہ طور مہر دیے ہیں، جو اس کے قبضے میں ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ دونوں لے لے اور اس کو جدا کر دے۔ حضرت ثابت نے ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت حبیبہ نے حضرت ابی بن کعب سے نکاح کیا تھا، وہ انھیں لے کر شام چلے گئے، وہیں ان کا وصال ہوا۔

أخرج عبد الرزاق وأبو داود وابن جرير والبيهقي من طريق عمرة عن عائشة، أن حبيبة بنت سهل كانت تحت ثابت بن قيس بن شماس، فضربها فكسر يدها، فأتت رسول الله ﷺ بعد الصبح فاشتكته إليه، فدعا رسول الله ﷺ ثابتاً فقال: خذ بعض مالها وفارقها۔ قال: ويصلح ذلك يا رسول الله؟ قال: نعم۔ قال: فإني أصدقتها حديقتين فهما بيدها۔ فقال النبي ﷺ: خذهما وفارقها۔ ففعل ثم تزوجها

أبي بن كعب، فخرج بها إلى الشام فتوفيت هناك۔ (الدر المنثور:2/676، عبدالرزاق: 11762، ابوداود:2228)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ أَمَا إِنِّي مَا أَعِيبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ، وَلَا دِينٍ، وَلٰكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ، وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً۔ (بخاری:5273، ابوداود:2229)

حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں: مجھ کو غصہ اور ناراضگی نہیں، حضرت ثابت بن قیسؓ کی عادت اور دین کی طرف سے، لیکن اسلام میں کفر اور ناشکری کرنا برا سمجھتی ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ان کا باغ واپس کردو۔ وہ کہنے لگیں: ہاں واپس کردوں گی۔ آپ ﷺ نے ثابت بن قیس سے فرمایا: تم اپنا باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔

مسند احمد میں ہے:

وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں؛ اے اللہ کے رسول اللہ! میں انھیں اتنا ناپسند کرتی ہوں کہ بعض اوقات میرے دل میں خیال آتا ہے کہ اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے چہرے پر تھوک دیتی۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس کا وہ باغ واپس کرسکتی ہو جو اس نے تمھیں بہ طور مہر دیا تھا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت کو بلایا، انھوں نے باغ واپس کر دیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی، اسلام میں خلع کا یہ سب سے پہلا واقعہ تھا۔

كَانَتْ حَبِيبَةُ ابْنَةُ سَهْلٍ تَحْتَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ الْأَنْصَارِيِّ فَكَرِهَتْهُ وَكَانَ رَجُلًا دَمِيمًا فَجَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي لَأَرَاهُ فَلَوْلَا مَخَافَةُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لَبَزَقْتُ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ الَّتِي أَصْدَقَكِ قَالَتْ نَعَمْ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَرَدَّتْ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا قَالَ: فَكَانَ ذَلِكَ أَوَّلَ خُلْعٍ كَانَ فِي الْإِسْلَامِ۔ (مسند احمد: 15663، المعجم الكبير للطبرانی: 5637)

آیتِ خلع

ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا، إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ، فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ، تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ (البقرة: 229)

(ترجمہ) تمھارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ (بیبیوں کو چھوڑنے کے وقت ان سے) کچھ بھی لو (گو وہ لیا ہوا اس (مال) میں سے (کیوں نہ ہو) جو تم (ہی) نے ان کو

(مہر میں) دیا تھا، مگر (ایک صورت میں البتہ حلال ہے وہ) یہ کہ (کوئی) میاں بی بی (ایسے ہوں کہ) دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو (جو دربارۂ ادائے حقوقِ زوجیت ہیں) قائم نہ کرسکیں گے، سو اگر تم لوگوں کو (یعنی میاں بی بی کو) یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابطِ خداوندی کو قائم نہ کرسکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے (بہ شرط یہ کہ مہر سے زیادہ نہ ہو)، یہ (سب احکام) خدائی ضابطے ہیں، سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جاوے، سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔ (بیان القرآن: 1/162، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

شانِ نزول

امام ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

نزلت هذه الآية في ثابت بن قيس، وفي حبيبة، وكانت اشتكته إلى رسول الله ﷺ۔ (الدر المنثور: 2/675)

یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور حبیبہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی تھی۔

طلاق علی المال کی دو صورتیں

عورت کو مال لے دے کر چھوڑ نا' اس کی دو صورتیں ہیں؛ ایک خلع، دوسرا طلاق علی المال۔ خلع یہ ہے کہ عورت کہے کہ تو اتنے مال پر مجھ سے خلع کر لے اور مرد کہے مجھ کو منظور ہے، اس کے کہتے ہی گو لفظ طلاق نہ کہے، طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور اسی قدر مال عورت کے ذمّے واجب ہو جائے گا۔ طلاق علیٰ مال یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے کہ تجھ کو اس قدر مال کے عوض طلاق ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت منظور نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور اگر منظور کر لے تو منظور کرتے ہی طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور اس قدر مال عورت کے ذمّے ادا کرنا واجب ہو جائے گا۔ (بیان القرآن: 1/163)

آیت میں خطاب کس سے؟

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا۔

اس میں 'أن' یحل کے سبب محلِ رفع میں ہے اور آیت میں خطاب ازواج کو ہے۔ انھیں اس سے روکا گیا ہے کہ وہ اپنی ازواج سے کوئی شئے ضرر و اذیت پہنچانے کی غرض سے لیں اور یہ وہ خلع ہے جو صحیح نہیں ہوتا مگر اس طرح کہ آدمی ضرر اور اذیت دینے میں متفرد نہ ہو، اور ذکر خصوصیت سے انھیں چیزوں کا کیا گیا ہے جو شوہر نے اپنی بیوی کو دے رکھی ہوں، کیوں کہ لوگوں میں عرف و رواج یہی ہے کہ فساد اور ناچاکی کے وقت اس شئے کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو شوہر کے ہاتھ سے بیوی کے لیے مہر اور اس کی دیگر حاجات کو پورا کرنے کا سامان ہو، اسی وجہ سے اسے ذکر کر کے خاص کیا گیا۔

قولہ تعالی: ولا یحل لکم أن تأخذوا مما آتیتموهن شیئا۔ 'أن' في موضع رفع بـ 'یحل'۔ والآیة خطاب للأزواج، نهوا أن یأخذوا من أزواجهم شیئا علی وجه المضارة، وهذا هو الخلع الذي لا یصح إلا بألا ینفرد الرجل بالضرر، وخص بالذکر ما آتی الأزواج نساءهم، لأن العرف بین الناس أن یطلب الرجل عند الشقاق والفساد ما خرج من یده لها صداقا وجهازا، فلذلك خص بالذکر۔ (أحکام القرآن للقرطبی: 3/73، موسسة الرسالة، بیروت)

جملۂ معترضہ

کہا گیا ہے کہ قولِ باری تعالیٰ 'ولا یحل' اللہ تعالیٰ کے ارشاد 'الطلاق مرتان' کے درمیان بہ طورِ جملۂ معترضہ کے فصل ہے۔

قد قیل: إن قوله 'ولا یحل' فصل معترض بین قوله تعالی: 'الطلاق مرتان' وبین قوله: 'فإن طلقها'۔ (القرطبی: 3/73)

معلوم ہوا کہ انسانوں کے حق میں بھی بہتر ہے کہ کسی اور ضروری کام کے درمیان بھی کوئی اور اہم بات ذہن میں آجائے تو اسے بہ طور جملۂ معترضہ عرض کر دینے میں مضایقہ نہیں۔

یہاں سلسلۂ کلام میں طلاق کا بیان چل رہا تھا، دو طلاق کے بعد ابھی تیسری طلاق کا ذکر نہیں آیا، درمیان میں ایک مسئلہ بیان فرما دیا جو ایسے حالات میں عموماً زیرِ بحث آجاتا ہے۔ وہ یہ کہ بعض ظالم شوہر بیوی کو نہ رکھنا چاہتے ہیں، نہ اس کے حقوق کی فکر کرتے ہیں، نہ طلاق دیتے ہیں۔ بیوی تنگ ہوتی ہے، اس کی مجبوری سے یہ ناجائز فایدہ اٹھا کر طلاق دینے

کے لیے اس سے کچھ مال کا یا کم از کم مہر کی معافی یا واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں، قرآنِ کریم نے اس کو حرام قرار دیا۔ البتہ ایک صورت اس سے مستثنیٰ فرمادی کہ اس میں مہر کی واپسی یا معافی جائز کردی، وہ یہ کہ عورت بھی محسوس کرے کہ طبیعتوں میں بُعد و مخالفت کی وجہ سے میں شوہر کے حقوق ادا نہیں کرسکتی اور مرد بھی یہی سمجھے، تو ایسی صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ مہر کی واپسی یا معافی کے بدلے طلاق دی جائے اور لی جائے۔ (معارف القرآن: 1/558، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)

قاضی بیضاوی کا بیان ہے:

الأظهر أنه طلاق لأنه فرقة بإختيار الزوج، فهو كالطلاق بالعوض، فإن طلقها متعلق بقوله الطلاق مرتان، تفسير لقوله أو تسريح بإحسان، اعترض بينهما ذكر الخلع دلالة على أن الطلاق يقع مجانا تارة وبعوض أخرى۔
(أنوار التنزيل، ص: 151، رحيميه، ديوبند)

ظاہر یہی ہے کہ خلع بھی طلاق ہی ہے، اس لیے کہ طلاق کا مطلب شوہر کا اپنے اختیار سے بیوی کو جدا کرنا ہے، خلع میں وہ یہی اقدام معاوضہ لے کر کرتا ہے، اس طرح خلع کا ذکر طلاق کی تفصیلات کے درمیان میں اس لیے آیا کہ طلاق کبھی بلاعوض ہوتی ہے اور کبھی بعوض۔

حقوق کی عدم ادائیگی کا خوف

مطلب یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے کہ وہ (کوئی شئے) لے، مگر اس اندیشے اور خوف کے بعد کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے اور تحریم کو اس کے لیے وعید کے ساتھ مؤکد کیا، یعنی ہر ایک کو اپنے بارے میں کراہت اور ناپسندیدگی بھی ہے، جس کا وہ اعتقاد رکھتا ہے، پھر عورت پر فدیہ دینے میں کوئی حرج نہیں، اور نہ ہی خاوند پر کچھ لینے میں حرج ہے اور خطاب زوجین کو ہے اور 'أن یخافا' میں ضمیر دونوں کے لیے اور 'ألا یقیما' مفعول بہ ہے اور 'خفت' ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

قوله تعالى: 'إلا أن يخافا ألا يقيما حدود الله' حرم الله تعالى في هذه الآية ألا يأخذ إلا بعد الخوف ألا يقيما حدود الله، وأكد التحريم بالوعيد لمن تعدى الحد۔ والمعنى أن يظن كل واحد منهما بنفسه ألا يقيم حق النكاح لصاحبه حسب ما يجب عليه فيه لكراهة يعتقدها، فلا حرج على المرأة أن تفتدي، ولا حرج على الزوج أن يأخذ۔ والخطاب للزوجين. والضمير في 'أن يخافا' لهما، و'ألا يقيما' مفعول به۔ و'خفت' يتعدى إلى مفعول واحد۔ (القرطبی: 3/74)

خوف کے معنی

'خوف' وہ بہ معنی علم ہے یعنی جب دونوں جان لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ یہی خوف حقیقی ہے اور یہ مکروہ عمل کے واقع ہونے کا ڈر اور خوف ہے اور یہ ظن کے معنی کے قریب ہے۔

هذا الخوف هو بمعنى العلم، أي أن يعلما ألا يقيما حدود الله، و هو من الخوف الحقيقي، و هو الإشفاق من وقوع المكروه، و هو قريب من معنى الظن۔
(القرطبی: 3/74)

پھر فرمایا گیا: 'إلا أن يخافا'۔ یہ استثنائے منقطع ہے، یعنی اگر نافرمانی عورتوں کی جانب سے ہو تو پھر تم پر فدیہ لینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

ثم قيل: 'إلا أن يخافا' استثناء منقطع، أي لكن إن كان منهن نشوز فلا جناح عليكم في أخذ الفدية۔ (القرطبی: 3/74)

خلاصہ یہ کہ اگر مرد تو عورت کا قصور سمجھتا ہے اور عورت مرد کا قصور سمجھتی ہے اور ہر شخص اپنی رائے میں اپنے کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم سمجھتا ہے تو نہ مرد کو لینے میں گناہ ہوگا اور نہ عورت کو خلع کی درخواست میں گناہ ہوگا۔

بوقتِ خوف دونوں گناہ سے بَری

اس آیت میں دونوں کے احتمال کے معنی یہی ہیں، کیوں کہ یہ احتمال مظلوم ہی کو ہوا کرتا ہے، اس سبب سے کہ دوسرے کا ظلم دفع کرنا اختیار سے خارج ہوتا ہے اور اس میں

احتمال ہوتا ہے کہ شاید یہ ظلم سے باز نہ آئے اور انتقام لینے میں مجھ سے کوئی زیادتی نہ ہو جائے۔ بہ خلاف ظالم کے کہ اس کو اس احتمال کی نوبت نہیں آتی، اس سبب سے کہ ظلم کا ترک کر دینا ہر وقت اختیاری ہے، پھر حقوقِ زوجیت کے ضائع ہونے کے اندیشے کے کچھ معنی نہیں، اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں فرمایا کہ دونوں پر گناہ نہ ہوگا، بہ خلاف پہلے دو مسئلوں کے کہ ان میں ایک کو گناہ ہوتا ہے۔

یہ جو فرمایا ہے کہ البتہ ایک صورت میں حلال ہے، وہ یہ کہ دونوں کو ایسا احتمال ہو۔ اس سے مقصود نفی حلت کی مرد کے ظالم ہونے کی صورت میں ہے نہ کہ عورت کے ظالم ہونے کی صورت میں، کہ اس میں تو بہ درجۂ اولیٰ حلال ہے، پس حصر اضافی ہے، حقیقی نہیں۔ (ماخوذ از بیان القرآن:1/163)

لفظ 'فدیہ' کا استعمال

متذکرہ آیت میں 'افتدیٰ' کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی ہیں قیدی نے فدیہ دے کر قید سے رہائی حاصل کر لی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح حدیث میں ہے کہ 'عورت مرد کے پاس اسیر ہوتی ہے'، لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ اس پر قیدیوں کے سے احکام نافذ ہوتے ہیں۔ اس تعبیر کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مرد قیّم و نگراں ہوتا ہے اور معروفات میں اس کی اطاعت عورت پر واجب ہوتی ہے، بہ ایں معنی لفظ 'فدیہ' استعمال کیا۔

كما في الموسوعة: الفدية في اللّغة اسم للمال الّذي يدفع لاستنقاذ الأسير، وجمعها فدًى وفديات، وفاديته مفاداة، وفداءً أطلقته وأخذت فديته. وفدت المرأة نفسها من زوجها تفدي، وافتدت أعطته مالاً حتّى تخلّصت منه

بالطّلاق، والفقهاء لا يخرجون في تعريفهم للفدية عمّا ورد في اللّغة۔ (الموسوعة الفقهية الكوتية: 19/236)

علامہ راغب اصفہانی رقم طراز ہیں:

فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ۔ وإن يأتوكم أسارى تفادوهم۔ وما بقي به الإنسان نفسه من مال يبذله في عبادة قصر فيها يقال له فدية۔ (المفردات في غريب القرآن: 374، دار المعرفة، بيروت)

فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ کے معنی ہیں 'رہائی پانے کے بدلے میں۔ اور جو مال کسی عبادت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے خرچ کر کے انسان خود اپنے آپ کو گناہ سے بچاتا ہے، اسے بھی 'فدیہ' کہا جاتا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ چوں کہ خلع میں عورت خود کو مستقبل میں ازدواجی زندگی نہ نبھ سکنے کی صورت میں، ہو سکنے والی کوتاہیوں سے اپنی حفاظت کے لیے مہر یا مال ادا کرتی ہے، اس لیے اسے فدیہ سے موسوم کر دیا گیا۔

علامہ بابرتی فرماتے ہیں:

سمى الله تعالىٰ ما اعطته فداء من فداه من الأسر، إذا استنفذه لما ان النساء عوان عند الازواج بالحديث وكان المال الذي يعطى في تخليعهن

فداء۔ (العناية على الهداية على هامش فتح القدير: 3/189، دار الکتب العمیة، بیروت)

خلع میں عورت جو مال دیتی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے 'فدا' کہا ہے۔ 'فداہ من الأسر' کے معنی ہیں اس نے اسے قید سے نکال لیا۔ چوں کہ حدیث کی رو سے عورتیں اپنے شوہروں کے پاس قید ہیں، لہٰذا وہ مال جو انھیں چھڑانے کے لیے دیا جائے، وہ فدیہ ہے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

فی تسمیة النبی ﷺ الخلع فدیة، دلیل علی أن فیه معنی المعاوضة، ولهذا اعتبر فیه رضا الزوجین۔ (زاد المعاد: 2/238، مصر)

رسول اللہ ﷺ نے خلع کا نام جو فدیہ رکھا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں معاوضے کے معنی پائے جاتے ہیں اور اسی لیے اس میں زوجین کی رضامندی کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

فدیہ' جمہور کے نزدیک

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

والجمهور علی أن أخذ الفدیة علی الطلاق جائز، وأجمعوا علی تحظیر أخذ مالها إلا أن یکون النشوز وفساد العِشرة من قِبَلِها۔ (القرطبی: 3/73)

جمہور کا نظریہ ہے کہ طلاق پر فدیہ لینا جائز ہے اور عورت کا مال نہ لینے کی تشدید پر اجماع ہے، مگر یہ کہ نافرمانی اور

معاملات میں فساد عورت کی جانب سے ہو۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

لم أزل أسمع ذلك من أهل العلم، وهو الأمر المجتمع عليه عندنا، و هو أن الرجل إذا لم يضر بالمرأة و لم يسيء إليها، و لم تؤت من قبله، و أحبت فراقه فإنه يحل له أن يأخذ منها كل ما افتدت به، كما فعل النبي صلى الله عليه و سلم في امرأة ثابت بن قيس و إن كان النشوز من قبله بأن يضيق عليها ويضرها رد عليها ما أخذ منها۔ (القرطبی:3/182)

جس پر ہمارے نزدیک اجماع ہے، وہ یہ کہ آدمی جب عورت کو کوئی ضرر اور تکلیف نہ دے اور اس کی طرف برائی کی نسبت بھی نہ کرے اور مرد کی جانب سے اسے ستایا بھی نہ جائے اور عورت اس سے جدائی اور علاحدگی اختیار کرے تو شوہر کے لیے حلال ہے کہ وہ اس سے ہر وہ شئے لے لے جو بہ طور فدیہ وہ دے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت بن قیسؓ کی بیوی کے بارے میں فیصلہ کیا اور اگر ناچاکی و اختلاف شوہر کی جانب سے ہو کہ وہ اسے تنگ کرتا ہو اور اذیت و ضرر پہنچاتا ہو تو اسے وہ

شئے واپس لوٹا دے جو اس سے لی ہے۔

امام عبد بن حمید نے حضرت ابراہیمؒ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

إذا جاء الظلم من قبل المرأة حل له الفدية، وإذا جاء من قبل الرجل لم يحل له منها شيء.

(الدر المنثور: 2/680)

جب ظلم عورت کی طرف سے ہو تو مرد کے لیے فدیہ حلال ہے اور جب ظلم مرد کی طرف سے ہو تو اس کے لیے کچھ حلال نہیں۔

عورتوں کا استحصال

شریعتِ اسلامی اور اس کے مزاج سے صحیح واقفیت نہ رکھنے والے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ فدیے کے بدلے میں عورت کو رشتۂ ازدواج سے آزاد کرنا عورتوں کا استحصال کرنا ہے، جب کہ خلع عورتوں کے حق میں ایسی بڑی نعمت ہے جس پر جتنا غور کیا جائے، اس کی معنویت کا اندازہ ہوتا چلا جائے گا۔ تھوڑے بہت فدیے کے عوض بھی کسی انسان کو ظلم سے نجات مل جائے، اس کے حق میں اس سے بہت کیا ہو سکتا ہے۔ جب کہ علماے اسلام نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ عورتوں کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے تھوڑا بھی مال لینا ہرگز درست و جائز نہیں۔

علامہ طبری فرماتے ہیں:

أن أخذ الزوج من امرأته مالا على وجه الإكراه لها

والاضرار بها حتی تعطیه شیئا من مالها علی فراقها حرام، ولو کان ذلک حبة فضة، فصاعداً۔
(طبری:4/481)

شوہر کا اپنی بیوی سے اکراہ وزبردستی کے ساتھ تکلیف پہنچانے کی غرض سے مال لینا تاکہ وہ اسے کچھ دے کر اس سے علاحدگی حاصل کرلے، حرام ہے، خواہ وہ جو کے ایک دانے کے برابر ہو یا اس سے زیادہ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

حرمت کی ایک دلیل یہ ہے کہ ناحق ایک مسلمان کا مال چھیننا اور عورت کو بلا خواہش کے اس لیے روکنا ہے کہ وہ تنگی اور تکلیف میں رہے تاکہ اس سے کچھ مال وصول ہو۔
(تفسیرِ مظہری:1/354، مکتبہ زکریا، دیوبند، اردو)

'درِمختار' میں ہے:

اکرهها الزوج علیه تطلق بلا مال لأن الرضا شرط للزوم المال و سقوطه۔ (الدرالمختار مع الردالمحتار: 2/722)

شوہر اگر بیوی کو خلع پر مجبور کرے تو مال کے بغیر طلاق ہو جائے گی، عورت پر مال کے واجب ہونے یا مہر کے ساقط ہونے کے لیے اس کا راضی ہونا شرط ہے۔

باہمی رضامندی ضروری

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

قرأ حمزة 'إلا أن يخافا' بضم الياء على ما لم يسم فاعله، والفاعل محذوف وهو الولاة والحكام، واختاره أبو عبيد۔ قال: لقوله عز وجل 'فإن خفتم' قال: فجعل الخوف لغير الزوجين، ولو أراد الزوجين لقال: فإن خافا، وفي هذا حجة لمن جعل الخلع إلى السلطان۔ قلت: وهو قول سعيد بن جبير والحسن وابن سيرين۔ وقال شعبة: قلت لقتادة: عمن أخذ الحسن الخلع إلى السلطان؟ قال: عن زياد، وكان واليا لعمر وعلي۔ (القرطبی: 3/74-75)

حمزہ نے اسے 'إلا أن يخافا' یا کے ضمہ کے ساتھ صیغۂ مجہول میں پڑھا ہے، اس طرح فاعل محذوف ہوگا اور وہ والی و حکام ہیں، ابوعبید نے اسے پسند کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے 'فإن خفتم' فرمایا، جو خوفِ زوجین کے علاوہ کسی اور کے لیے ذکر کیا ہے یعنی والی یا حاکم کو خوف ہو، اگر زوجین کا ارادہ

کرتا تو فرمایا جاتا فإن خافا ۔اس میں ان کے لیے حجت ودلیل ہے جنھوں نے خلع سلطان کے حوالے کیا ہے،لیکن میں کہتا ہوں ؛ یہ حضرت سعد بن جبیر،حسن اور ابن سیرین کا قول ہے اور شعبہ نے کہا؛ میں نے حضرت قتادہ سے عرض کیا: یہ حسن سے کس نے اخذ کیا کہ خلع سلطان کے سپرد ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: زیاد سے اور یہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی جانب سے والی تھے۔

نحاس نے کہا:

قال نحاس: وهذا معروف عن زياد، ولا معنى لهذا القول لأن الرجل إذا خالع امرأته فإنما هو على ما يتراضيان به، ولا يجبره السلطان على ذلك، ولا معنى لقول من قال: هذا إلى السلطان۔ وقد أنكر اختياره أبي عبيد ورد، وما علمت في اختياره شيئا أبعد من هذا الحرف، لأنه لا يوجبه الإعراب ولا اللفظ ولا المعنى۔ أما الإعراب فإن عبدالله بن مسعود قرأ' إلا أن يخافا' تخافوا، فهذا في العربية إذا رد إلى ما لم يسم فاعله قيل: إلا أن يخاف۔ وأما

اللفظ فإن كان على لفظ 'يخافا' وجب أن يقال: فإن خيف. وإن كان على لفظ 'فإن خفتم' وجب أن يقال: إلا أن تخافوا. وأما المعنى فإنه يبعد أن يقال: لا يحل لكم أن تأخذوا مما آتيتموهن شيئا، إلا أن يخاف غيركم ولم يقل جل وعز: فلا جناح عليكم أن تأخذوا له منها فدية، فيكون الخلع إلى السلطان۔ (القرطبی:3/75)

یہ قول زیادہ معروف ہے اور اس قول کے کوئی معنی اور حقیقت نہیں ہے، کیوں کہ آدمی جب اپنی بیوی سے خلع کرتا ہے تو بلاشبہ وہ ایسی شئے پر ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ دونوں راضی ہوتے ہیں اور سلطان اس پر اسے مجبور نہیں کرسکتا اور اس کے قول کی کوئی اصل نہیں ہے، جس نے کہا ہے کہ یہ سلطان کے سپرد ہے اور انھوں نے ابوعبید کے اختیار کا انکار اور اس کا رد کیا ہے اور میں ان کے اختیار اور پسند میں اس حرف سے زیادہ بعید اور کوئی شئے نہیں سمجھتا، کیوں کہ اعراب، لفظ اور معنی میں سے کوئی بھی اسے ثابت نہیں کرتا۔ جہاں تک اعراب کا تعلق ہے تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے 'إلا أن يخافا' کو پڑھا ہے 'تخافوا'

اور یہ عربی ہے۔ جب اسے مالم یسم فاعلہ کی طرف لوٹایا گیا تو کہا گیا إلا أن یخاف، اور رہا لفظ، تو اگر اس کا انحصار لفظ 'یخافا' پر ہو تو پھر ضروری ہے کہ کہا جائے 'فإن خیف' اور اگر لفظ 'فإن خفتم' پر ہو تو پھر واجب ہے کہ کہا جائے 'إلا أن تخافوا'۔ رہے معنی تو یہ بعید ہے کہ کہا جائے کہ تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم اس میں سے کوئی شئے لو جو تم نے انھیں دے رکھی ہے، مگر یہ کہ تمھارے سوا کسی کو خوف ہو، اور نہ رب العالمین نے یہ کہا ہے؛ فإن جناح علیکم أن تأخذوا له منها فدیة (کہ تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم شوہر کے لیے عورت سے فدیہ لو) کہ خلع سلطان کے حوالے ہو جائے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں:

قد صح عن عمر وعثمان وابن عمر جوازه دون السلطان، وکما جاز الطلاق والنکاح دون السلطان فکذلك الخلع، و هو قول الجمهور من العلماء۔ (القرطبی:75)

حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ سلطان کے بغیر خلع جائز ہونا صحیح ہے اور

جس طرح طلاق ونکاح بغیر سلطان کے جائز ہیں، اسی
طرح خلع بھی جائز ہے، یہی جمہور علما کا قول ہے۔

دونوں طرف سے اختلاف ضروری نہیں

خلع کی رضامندی پر باہم اتفاق کے عنوان سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ خلع اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ میاں بیوی دونوں علاحدگی کا ارادہ کریں، بلکہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے ساتھ رہنے میں شدید کراہت محسوس کرے تو خلع جائز ہے جیسا کہ سابقہ صفحات میں پیش کی گئی احادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شوہر کی طرف سے علاحدگی کی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی فقط بیوی کے اختلاف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان دونوں کے درمیان خلع کروادیا۔

حافظ ابن حجر نے وضاحت کی ہے:

إذا حصل من قبل المرأة فقط، جاز الخلع والفدية، ولا يتقيد ذلك بوجوده منهما جميعاً، وأن ذلك يشرع إذا كرهت المرأة عشرة الرجل ولو لم يكرهها ولم ير منها ما يقتضي فراقها۔ (فتح الباری: 9/312-313)

اگر اختلاف صرف عورت کو ہو تو بھی خلع اور فدیہ جائز ہے، اس کے لیے یہ قید نہیں کہ اختلاف دونوں ہی کی طرف سے ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خلع اس وقت مشروع

ہے جب عورت مرد کے ساتھ رہنا ناپسند کرے، خواہ مرد
اسے ناپسند نہ کرتا ہو یا اس نے اس کی طرف سے ایسی کوئی
حرکت نہ دیکھی ہو جو اس سے علاحدگی کا تقاضا کرے۔

یہ بات بالکل حق بہ جانب لگتی ہے، اس لیے کہ اگر شوہر بیوی سے علاحدگی اختیار کرنا چاہے تو اس کے پاس تو طلاق کا حق موجود ہی ہے۔

ایک شاذ قول

عقبہ بن ابی صہباء کہتے ہیں کہ میں نے بکر بن عبداللہ مزنی سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا، جس کی بیوی یہ چاہتی ہے کہ وہ اس سے خلع لے لے۔

انھوں نے کہا: اس کے لیے یہ حلال نہیں۔

میں نے عرض کیا: پھر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اجازت کا کیا؟

انھوں نے کہا: یہ منسوخ ہے۔

میں نے دریافت کیا: ناسخ آیت کہاں ہے؟

انھوں نے کہا: سورۂ نساء میں

وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا۔

(النساء:20)

اور اگر ایک بیوی کو دوسری بیوی کی جگہ بدلنا چاہو اور تم ان

میں سے ایک کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے
کچھ بھی نہ لو، کیا تم اس کو واپس لوگے بہتان رکھ کر اور صریح
گناہ کا ارتکاب کر کے؟

نحاس نے کہا ہے: یہ قول شاذ ہے اور اپنے شاذ ہونے کی وجہ سے اجماع سے خارج ہے اور دونوں آیتوں میں سے ایک آیت دوسری کو ختم کرنے والی نہیں ہے کہ نسخ واقع ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فإن خفتم﴾ (الآیۃ)۔ اس آیت کے ساتھ زائل و ختم ہونے والا نہیں ہے، کیوں کہ یہ صرف مَردوں کے لیے ہے اور علامہ طبری نے کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور بکر کے قول کی کوئی حقیقت نہیں، اگر عورت ایسا کرنا (یعنی شوہر سے خلع حاصل کرنا) چاہے۔

و قال عقبة بن أبي الصهباء: سألت بكر بن عبدالله المزني عن الرجل تريد امرأته أن تخالعه فقال: لا يحل له أن يأخذ منها شيئا۔ قلت: فأين قول الله عز و جل في كتابه: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾؟ قال: نسخت۔ قلت: فأين جعلت؟ قال: في سورة 'النساء': ﴿وإن أردتم استبدال زوج مكان زوج وآتيتم إحداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا أتأخذونه بهتانا وإثما مبينا﴾ [النساء:20]۔ قال النحاس: هذا قول شاذ خارج عن الإجماع لشذوذه، وليست إحدى الآيتين دافعة للأخرى فيقع النسخ، لأن قوله ﴿فإن خفتم﴾ الآية، ليست بمزالة بتلك الآية، لأنهما إذا خافا هذا لم يدخل الزوج. في ﴿وإن أردتم استبدال زوج مكان زوج﴾ لأن هذا

للرجال خاصة۔ و قال الطبري: الآية محكمة، ولا معنى لقول بكر: إن أرادت۔
(القرطبی: 3/78)

ایک اہم نکتہ

اس آیت میں شرعی عذر کی بنا پر خلع لینے والی عورتوں کے لیے 'لا جناح' کہہ کر اللہ تعالیٰ نے انھیں سماج کے طعنوں سے نجات دے دی اور پندرہ سو سال قبل انھیں وہ حق فراہم کیا جو بعض قوموں میں آج تک حاصل نہیں کہ جب ازدواجی زندگی میں نباہ نہ ہو سکے تو شوہر کو فدیے پر راضی کر کے خلاصی حاصل کر لی جائے۔

علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں:

نفي الجناح عنهما في هذه الحالة ظاهر في الرجل وجعله بعضهم بمعنى المفرد لخائفه عليهم في جانب المرأة، و ما هو يخفى فإن المرأة بذم منها شرعاً وعرفاً أن تطلب الطلاق، وقد رفع عنها الجناح فيه بهٰذا العذر، و هو علمها بتعذر إقامة حدود الله في الزوجية۔ (تفسير المنار: 2/389، مصر)

خدائی ضابطوں کا لحاظ

یہاں اللہ تعالیٰ نے نکاح و فراق کے احکام بیان کرنے کے ساتھ ارشاد فرمایا:

تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ

اللّٰہِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

یہ خدائی ضابطے ہیں، سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص

خدائی ضابطوں سے باہر نکل جائے، سو ایسے ہی لوگ اپنا

نقصان کرنے والے ہیں۔(البقرة:229)

جس طرح روزے کی تحریمات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ’ تلك حدود الله فلا تقربوها ‘اور حدود کو دو قسموں میں تقسیم کردیا ہے، ان میں سے ایک وہ حدود الامر ہیں جن کی پیروی لازم ہے اور دوسری حدود النہی ہیں جن سے اجتناب لازم ہے۔ اس کے بعد خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ومن يتعد حدود الله فأولئك هم الظالمون۔ جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جائے، سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔

قوله تعالى: ’تلك حدود الله فلا تعتدوها‘ لما بين تعالى أحكام النكاح والفراق قال: ’تلك حدود الله‘ التي أمرت بامتثالها، كما بين تحريمات الصوم في آية أخرى فقال: ’تلك حدود الله فلا تقربوها‘۔[البقرة: 187] فقسم الحدود قسمين، منها حدود الأمر بالامتثال، وحدود النهي بالاجتناب، ثم أخبر تعالى فقال: ’ومن يتعد حدود الله فأولئك هم الظالمون‘۔(القرطبی:3/88)



خلع کا نظام

لغوی معنی

'خُلع' کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو نکالنا اور عام طور پر یہ لفظ بدن سے پہنی ہوئی کسی چیز مثلاً کپڑے و موزے وغیرہ اتارنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

قال ابو الفتح المطرزی: 'خلع' الملبوس: نزعه، یقال (خلع ثوبه) عن بدنه الخ۔ و خالعتِ المرأة زوجها و (اختلعت منه) إذا افتدت منه بمالها، فإذا أجابها إلی ذلک فطلقها، قیل: (خلعها) والإسم (الخلع) بالضم: و إنما قیل ذلک لأن کلا منهما لباس لصاحبه، فإذا فعلا ذلک فکأنهما و نزعا لباسهما۔

(المغرب فی ترتیب المعرب: 1/266، مکتبة اسامه بن زید، هلب)

قرآن مجید میں میاں بیوی کے تعلق کو چوں کہ لباس سے تعبیر کیا گیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۔ (البقرة: 187)

وہ لباس ہیں تمھارے لیے اور تم ان کا لباس ہو۔

اس لیے اس عظیم رشتے کو شدید ضرورت کے وقت ختم کرنے کے لیے خلع کا لفظ استعمال کیا گیا، جس میں بڑی معنویت ہے۔ ہاں استعمال میں یہ فرق ملحوظ رکھا گیا کہ حسّی اشیا کو الگ کرنے کے لیے یہ لفظ (خلع) فتحہ کے ساتھ اور ازدواجی رشتے کو منقطع کرنے کے لیے ضمہ کے ساتھ استعمال کیا گیا۔

قال ابن حجر: الخلع بضم المعجمة و سکون اللام، و هو فی اللغة فراق الزوجة علی مال، مأخوذ من خلع الثوب لأن المرأة لباس الرجل معنی، و ضم مصدره تفرقه بین الحسی و المعنوی۔ (فتح الباری: 9/307، مکتبۃ الملک فھد، الریاض)

اصطلاحی معنی

شریعت کی اصطلاح میں اس لفظ کے معنی ہیں 'ملکیتِ نکاح کو مال کے عوض میں لفظِ خلع کے ساتھ زائل کرنا' یا ملکیتِ نکاح ختم کرنے کے لیے لفظِ خلع کے ساتھ اپنی بیوی سے مال لینا، جس کی توضیح یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف اس حد تک پہنچ جائے کہ دونوں میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کے لیے جائز ہے کہ مہر معاف کر کے یا کچھ مال وغیرہ دے کر اس سے نجات حاصل کر لے۔ جیسے اپنے شوہر سے یوں کہے کہ اتنا روپیہ لے کر یا جو مہر تمھارے ذمّے ہے اس کے عوض مجھے خلع دے دو اور اس کے جواب میں شوہر کہے کہ میں نے خلع دے دیا، تو اس سے عورت پر ایک طلاقِ بائن پڑ جائے گی اور دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔

فی المرقاۃ: الخلع فی الشرع عبارۃ عن أخذ مال من المرأۃ بإزاء ملک النکاح بلفظ الخلع، الخ۔ (6/379، دار الکتب العلمیہ، بیروت، شرح فتح القدیر: 4/188، دار الکتب العمیہ، بیروت)

و قال العینی: قال أصحابنا: الخلع إزالۃ الزوجیۃ بما یعطیہ من المال۔ (عمدۃ القاری: 20/370، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

و فی الهندیة: الْخُلْعُ إزَالَةُ مِلْكِ النِّكَاحِ بِبَدَلٍ بِلَفْظِ الْخُلْعِ كَذَا فِي فَتْحِ

الْقَدِيرِ۔۔۔(وَحُكْمُهُ) وُقُوعُ الطَّلَاقِ الْبَائِنِ كَذَا فِي التَّبْيِينِ۔ (هندية: 1/519، دار الكتب العلمية، بيروت)

و فی الموسوعة الفقهية: الخَلع ’بالفتح‘ لغةً هو النّزع و التّجريد، و الخُلع ’بالضّمّ‘ اسم من الخلع۔ و أمّا الخلع عند الفقهاء فقد عرّفوه بألفاظ مختلفة تبعًا لإختلاف مذاهبهم في كونه طلاقاً أو فسخاً، فالحنفيّة يعرّفونه بأنّه عبارة عن: أخذ مال من المرأة بإزاء ملك النّكاح بلفظ الخلع، و تعريفه عند الجمهور في الجملة هو: فرقة بعوض مقصود لجهة الزّوج بلفظ طلاق أو خلع۔ (الموسوعة الفقهية الكوتية: 19/234)

مشروعیت

خلع کی مشروعیت پر امت کا اجماع ہے، جس کی تفصیلات آیتِ خلع کی تفسیر میں وضاحت سے بیان کی گئی ہے نیز حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

> أجمع العلماء على مشروعية إلا بكر بن عبد الله المزنى التابعى المشهور۔۔۔ و انعقد الإجماع بعده على اعتباره۔ (فتح البارى: 9/307)
>
> علما نے خلع کی مشروعیت پر اجماع کیا ہے مگر عبداللہ مزنی جو کہ مشہور تابعی ہیں، ان کی رائے اس کے خلاف ہے لیکن ابن ابی شیبہ وغیرہ نے ان کا تعاقب کیا ہے۔

ان کی رائے کے درست نہ ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ صحابہ وتابعین اور بعد کے لوگوں کا خلع پر اجماع ہے۔ نیز سورۂ نساء میں کہا گیا ہے کہ مرد عورت کو طلاق دے تو اس

سے مہر نہ لے اور یہاں ایک دوسری بات کہی جارہی ہے کہ بیوی کی نفرت یا نافرمانی کی صورت میں اگر یہ اندیشہ ہو کہ میاں بیوی حدود اللہ کو قایم نہیں رکھ سکیں گے تو بیوی مال دے کر شوہر سے علاحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ یہ دونوں مختلف صورتیں ہیں، جن کے احکام بھی مختلف ہیں۔

قال الطبری: فقول لا معنی له، فنتشاغل بالإبانة عن خطئه، لمعنیین: أحدهما إجماع الجمیع من الصحابة و التابعین و من بعدهم من المسلمین علی تخطئته و إجازةِ أخذ الفدیة من المُفتدیةِ نفسَها لزوجها، و فی ذلک الکفایة عن الاستشهاد علی خطئه بغیره، و لآخر أن الآیة التی فی سورة 'النساء' إنما حرم اللہ فیها علی زوج المرأة أن یأخذ منها شیئاً مما آتها، بأن أراد الرجل استبدال زوج بزوج من غیر أن یکون هنالک خوف من المسلمین علیهما مُقامَ أحدهما علی صاحبه ألا یقیما حدود اللہ، و لا نشوذ من المرأة علی الرجل۔ و إذا کان الأمر کذلک، فقد ثبت، أن أخذ الزوج من امرأته مالاً علی وجه الإکراه لها الإضرار بها، حتی تعطیَه شیئاً من مالها علی فراقها، حرامٌ۔ و لو کان ذلک حبة فضة فصاعداً، الخ۔ (التفسیر الطبری: 4/162، دار هجر، جیزه)

احتراز کی ضرورت

اسلام کے نظامِ نکاح کی اہمیت کے پیش نظر اول تو خلع وطلاق وغیرہ سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے لیکن جب حالات ایسے ہوں کہ اس کے سوا چارۂ کار باقی نہ رہے تب سب سے پہلے خاندان والوں کو کشش کرنی چاہیے کہ کسی طریقے پر دونوں کے درمیان صلح

صفائی ہو جائے اور آپس میں الفت و محبت کی زندگی بسر کرنا شروع کر دے لیکن کسی طرح صلح کی شکل نہ نکل سکے اور شوہر کے ظلم کی وجہ سے عورت اس کے ساتھ رہنا گوارا نہ کرے تو پھر شوہر کو طلاق پر آمادہ کرنا چاہیے لیکن شوہر کو کچھ منظور نہ ہو تو مہر یا کچھ مال دے کر خلع کر لے اور اس طرح عورت شوہر کے پنجۂ ظلم سے نجات حاصل کر لے لیکن خلع میں بھاری معاوضہ طلب کرنا بھی جائز نہیں، بلکہ جو مہر دیا ہے وہی واپس کر کے خلع کر لینا چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا: 4/237، زمزم پبلیشرز، کراچی)

بلا وجہِ شرعی خلع کا مطالبہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْمُنْتَزِعَـاتُ، وَالْمُخْتَلِعَـاتُ هُـنَّ الْمُنَافِقَـاتُ۔

(مشکوٰۃ: 3290، تحفة الأشراف: 12256)

اپنے شوہروں سے بلا وجہ کشیدہ رہنے والی اور خلع کرنے والی خواتین منافق ہیں۔

قال القاری: (هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ) أی العاصیات و المعیطات ظاهراً۔ قال الطیبی: مبالغة فی الزجر۔ (مرقاۃ المفاتیح: 6/397)

مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں بلا سبب اپنے شوہروں سے طلاق مانگتی ہیں یا ان سے خلع چاہتی ہیں، وہ منافق ہیں۔ ’منافق‘ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ظاہر میں تو احکامِ اسلام کی مطیع و فرماں بردار ہیں مگر باطنی طور پر گنہ گار و عاصی ہیں۔ (مظاہر حق جدید: 4/158)

حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أیما امرأة سألت زوجها طلاقا في غیر ما بأس فحرام علیها رائحة الجنة۔ (مشکوٰۃ:3279)

جو عورت اپنے خاوند سے بلاضرورت طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہے۔

خلع کے مطالبے پر انکار

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

إذا أراد النساء الخلع فلا تکفروهن۔ (الدر المنثور: 2/686، البیهقی: 7/315)

جب عورتیں خلع کا ارادہ کرلیں تو تم ان کا انکار نہ کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشادِ گرامی میں شوہروں کے لیے یہ ہدایت موجود ہے کہ جب عورت خلع کرنا چاہے تو انھیں خواہ مخواہ زبردستی کے رشتے میں باندھے رکھنے کے بہ جائے خلع دے کر آزاد کر دیا جائے۔

خلع شوہر کا حق

عقدِ نکاح کو ختم کرنے کا اختیار صرف مرد کو ہے، عورت کو نہیں لیکن وہ لوگ جن کی انسانی طبیعت اور مصالحِ شریعت پر سطحی نظر ہوتی ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ طلاق شوہر کا حق ہے اور خلع بیوی کا، جب کہ یہ بات پوری طرح درست نہیں ہے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس

طرح شدید ضرورت کے موقع پر مرد کو طلاق دینے کا حق ہے، اسی طرح شدید ضرورت کے موقع پر عورت کو خلع کے مطالبے کا حق حاصل ہے، لیکن بعض مساوات کے دعوے دار اسے انصاف کے خلاف سمجھتے ہیں، جب کہ اسلام سراپا انصاف ہے۔ مذکورہ ذہن کے لوگ اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔

اور عورتوں کے لیے (حق) ہے جیسے عورتوں پر (مَردوں کا) حق ہے دستور کے مطابق۔ (البقرۃ: 228)

لیکن آیت کا اگلا حصہ حذف کر جاتے ہیں، جس میں فرمایا گیا:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ، وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔

اور مَردوں کا ان پر ایک درجہ (برتری کا) ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (البقرۃ: 228)

اسی کے پیش اسلام کے عظیم فلسفی علامہ رازی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

إن المقصود من الزوجية لا يتم إلا إذا كان كل واحد منهما مراعياً حق الآخر وتلك الحقوق المشتركة كثيرة نشير إلى بعضها۔ (تفسیر رازی: 6/101، دار الفکر، بیروت)

زوجیت کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے جب تک کہ ان

میں سے ہر ایک دوسرے کے حق کی رعایت نہ کرے اور
یہ مشترک حقوق بہت سے ہیں، جن میں سے بعض کی
طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔

اس ضمن میں تمام معاشرتی حقوق میں مساوات کا ذکر کرنے کے بعد ﴿عَلَيۡهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

إن الزوج قادر علی تطلیقها و إذا طلقها فهو قادر علی
مراجعتها، شائت المرأة أم لم تشاء، أما المرأة فلا
تقدر علی تطلیق الزوج و بعد الطلاق، لا تقدر علی
مراجعة الزوج و لا تقدر أیضاً علی أن تمنع الزوج من
المراجعة۔ (تفسیر رازی: 6/102، دار الفکر، بیروت)

شوہر عورت کو طلاق دینے پر قادر ہے اور طلاق دینے کے
بعد رجوع پر بھی قادر ہے، خواہ عورت چاہے یا نہ چاہے،
لیکن عورت نہ شوہر کو طلاق دے سکتی ہے، نہ طلاق کے
بعد شوہر سے رجوع کر سکتی ہے اور نہ اسے رجوع کرنے
سے روک سکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ مرد پر عورت کی طرف سے خلع کی درخواست پر اس کو قبول کرنا واجب نہیں بلکہ اس کو اختیار ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے اور حاکم شوہر کو قبولِ خلع پر مجبور بھی نہیں کر سکتا، إلا اذا کان ظالماً معروفاً به۔ (امداد الاحکام: 2/684)

قبولِ خلع سے قبل دوسرا نکاح

خلع دراصل بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ ہے جب تک کہ شوہر اس کو قولاً یا تحریراً قبول نہ کرلے اس وقت تک خلع واقع نہیں ہوگا، جب خلع واقع ہوجائے تو عدت گذارنے کے بعد عورت کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے، چناں چہ شوہر کے قبول سے پہلے اگر دوسرا نکاح کیا جائے، وہ از روئے شریعت درست نہیں ہوگا۔

فی الموسوعة: و أما الحنفية فقد ذكروا له ركنين ان كان بعوض وهما الايجاب و القبول۔۔۔ فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

(الموسوعة الفقهية، الخلغ الركن الاول)

خلع کے بعد پہلے شوہر سے نکاح

خلع ہوجانے کے بعد میاں بیوی جب چاہیں باہم رضامندی سے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، عدت کے اندر بھی اور عدت کے بعد بھی، البتہ یہ ضروری ہے کہ خلع ہونے سے پہلے شوہر دو طلاقیں نہ دے چکا ہو، کیوں کہ اگر شوہر پہلے دو طلاقیں دے چکا ہے تو یہ خلع کے ساتھ مل کر تین ہوگئیں، اب بغیر حلالہ کے ان کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا، نیز اگر خلع کے علاوہ کوئی طلاق نہیں دی ہے تو مکرر نکاح کی صورت میں اب دو طلاقوں کا حق باقی رہے گا اور مہر نیا باندھا جائے گا۔ خلع لینے والی عورت اپنے سابقہ خاوند جس سے اس نے خلع لیا ہے نکاح کرسکتی ہے، دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں، حرمت کی کوئی دلیل نہیں۔

ایک ثقہ تابعی میمون بن مہران فرماتے ہیں:

يتزوجها ويسمى لها مهرا جديدا۔(مصنف ابن ابی شیبہ:5/122، برقم:1850، سندہ صحیح)

وہ اگر چاہے تو نکاح کرے گا اور نیا حق مہر باندھے گا۔

قال السرخسي:لو خالعها بعد تطليقتين، عندنا لاتحل له حتى تنكح زوجاً غيره۔(المبسوط:6/172)

و في الهندية:وَلَوْ تَزَوَّجَهَا مِرَارًا وَخَلَعَهَا فِي كُلِّ عَقْدٍ عِنْدَنَا لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا بَعْدَ الثَّلَاثِ قَبْلَ الزَّوْجِ الثَّانِي كَذَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِقَاضِي خَانْ۔(هندية:1/519)

و في البدائع:إذا خالع إمرأته تزوجها تعود إليه بطلاقين عندنا۔۔۔حتى لو طلقها بعد ذلك تطلقتين حرمت عليه حرمة غليظة عندنا۔إما الطلاق الرجعي فالحكم الأصلي له هو نقصان العدد۔(بدائع:3/180، دار الکتاب العربية، بيروت)

اسی طرح اگر خلع نامے میں صرف خلع کا لفظ استعمال ہوا ہے یا طلاقِ بائن کا لفظ، اور یہ نیت مطلق طلاق دینے یا صرف ایک طلاق دینے کی تھی، تو دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے۔اگر خلع نامے میں تین بار طلاق کا ذکر تھا تو اب نکاح کی گنجائش نہیں۔(کتاب الفتاویٰ:5/125)

خلع کے بعد نیا نکاح

مختلعہ عدت گزرنے کے بعد جہاں چاہے نیا نکاح کرسکتی ہے، فضیل بن عبداللہ سے روایت ہے:

عَنْ الْفُضَيْلِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ مَوْلَى الْمَهْرِيِّ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ كَانَا يَقُولَانِ إِذَا طُلِّقَتْ الْمَرْأَةُ فَدَخَلَتْ فِي الدَّمِ مِنْ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ وَحَلَّتْ۔ (مؤطا امام مالک)

قاسم بن محمد اور سالم بن عبد اللہ کہتے تھے جب مطلقہ عورت کو تیسرا حیض شروع ہو جائے تو وہ اپنے خاوند سے بائن ہو جائے گی اور اس کو دوسرا نکاح کرنا درست ہو جائے گا۔

زوجین کی رضامندی

آیتِ خلع میں اوّل سے آخر تک میاں بیوی دونوں کو برابر کا شریک قرار دیا گیا ہے؛

❁ اِلَّآ اَنۡ يَّخَافَآ ۔ اِلَّا یہ کہ میاں بیوی دونوں کو اندیشہ ہو۔

❁ اَلَّا يُقِيۡمَا ۔ کہ وہ دونوں قائم نہیں کر سکیں گے اللہ تعالیٰ کی حدود کو۔

❁ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا ۔ پس اگر تم کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں خداوندی حدود کو قائم نہیں کر سکیں گے۔

❁ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا ۔ تب ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔

❁ فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ۔ اس مال کے لینے اور دینے میں، جس کو دے کر عورت قیدِ نکاح سے آزادی حاصل کرے۔

معلوم ہوا کہ خلع کے لیے زوجین کی باہم رضامندی شرط ہے، دونوں میں سے کوئی ایک بھی رضامند نہ ہو تو خلع واقع نہیں ہو سکتا، تفصیل تفسیر کے ذیل میں گزر چکی۔

اسبابِ خلع

علامہ شعرانی رقم طراز ہیں:

اتفق الأئمة على أن المرأة إذا كرهت زوجها لقبح منظر، أو سوء عشرة، جاز أن تخالعه على عوض، وإن لم يكن من ذلك شيئ وتراضيا على الخلع من غير سبب جاز، ولم يكره خلافاً للزهري وعطاو داؤد في قولهم إن الخلع لا يصح في هذه الحالة لأنه عبث، والعبث غير مشروع۔ (المیزان الکبریٰ: 2/119، دار احیاء، مصر)

تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر کو بد صورتی یا سُوے معاشرت کی بنا پر ناپسند کرتی ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ شوہر سے معاوضے پر خلع کا معاملہ کر لے اور اگر ناپسندیدگی کی کوئی وجہ نہ ہو اور زن و شو خلع پر بلا وجہ رضامند ہو جائیں، تب بھی جائز ہے اور مکروہ نہیں، البتہ اس میں زہری، عطا، داؤد رحمہم اللہ کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں خلع صحیح نہیں، اس لیے کہ یہ عبث ہے اور عبث غیر مشروع ہے۔

ہم صاحبِ 'قاموس الفقہ' سے اتفاق رکھتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ رشتۂ نکاح

ایک دفعہ قایم ہونے کے بعد پھر اسے توڑا نہ جائے، اس لیے کہ طلاق کی عام صورتوں کی طرح، طلاق کی خاص صورت 'خلع' کو بھی پسند نہیں کیا گیا ہے، لیکن چوں کہ بعض دفعہ ازدواجی زندگی کی الجھنوں اور بے سکونیوں کا حل اسی میں مضمر ہوتا ہے کہ زوجین کو ایک دوسرے کی وابستگی سے آزاد کر دیا جائے، اس لیے شریعت نے ان خصوصی حالات ومواقع کی رعایت کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے، لہٰذا اگر رشتے کا نباہ ممکن ہو تو عورت کا بلاضرورت خلع کا مطالبہ کرنا مکروہ ہے، ہاں حاجت وضرورت کے وقت عورت کا مطالبۂ خلع جائز ودرست ہے۔ البتہ اگر عورت کے مطالبۂ تفریق کے لیے کوئی معقول وجہ موجود نہ ہو، مرد کی طرف سے ظلم وزیادتی نہیں پائی جاتی ہو، مگر عورت کو شوہر کی طرف سے اس درجہ نفور ہو کہ طبیعت کو کسی طور اس کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ پاتی ہو اور اس کی وجہ سے شوہر کے ساتھ حق تلفی کا اندیشہ ہو تو یہ بھی ایک حاجت ہے۔ (قاموس الفقہ :3/362-363 ملخصاً)

وفی الموسوعة: الخلع جائز في الجملة سواء في حالة الوفاق والشّقاق خلافًا لابن المنذر۔ (الموسوعة الفقهية الكوتية: 19/240)

و قال ابن قدامة: وجملة الأمر أن المرأة إذا كرهت زوجها لخلقه أو خلقه، أو دينه أو كبره أو ضعفه، أو نحو ذلك وخشيت أن لا تؤدي حق الله تعالى في طاعته جاز لها أن تخالعه بعوض۔ (المغنی: 10/267)

متعنت کی بیوی کا حکم

شریعت کی اصطلاح میں متعنت اس شخص کو کہتے ہیں جو کہ قدرت کے باوجود بیوی کے حقوقِ نان ونفقہ وغیرہ ادا نہ کرے۔ متعنت کی بیوی کے لیے پہلے تو لازم ہے کہ وہ کسی

طرح شوہر سے خلع کرے، لیکن اگر غیر معمولی جدو جہد کے باوجود کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہبِ مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک متعنت کی بیوی کو تفریق کا حق مل سکتا ہے۔۔۔اور تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضیِ شرع یا مسلمان حاکم اور ان دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں (شرعی کمیٹی) جماعتِ مسلمین میں پیش کرے اور جس شخص کے پاس پیش ہو، وہ معاملے کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعے سے مکمل تحقیق کرے اور اگر دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ وسعت کے باوجود شوہر نان ونفقہ ادا نہیں کرتا تو اس عورت کے شوہر سے کہا جائے کہ تم یا تو اپنی بیوی کے حقوق ادا کردو یا طلاق دے دو، ورنہ ہم تفریق واقع کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ شوہر کسی صورت اس پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو شخص اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کرے، اس میں کسی مدّت کے انتظار اور مہلت کی حضراتِ مالکیہ کے متفقہ مذہب کے مطابق ضرورت نہیں ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ: 131-129 ملخصاً)

حاکم کے فیصلے کے بعد عدت گزارنے سے قبل اگر شوہر حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر تیار ہوگیا تو اسے رجوع کا اختیار ہے، البتہ تجدیدِ نکاح بہتر ہے۔ اگر عورت جدید نکاح پر راضی نہ ہو تو بلا تجدید جبراً بھی اسے رکھ سکتا ہے۔ (فتاویٰ مفتی محمود: 7/55)

نامردی کی وجہ سے خلع

اگر نکاح کے بعد ثابت ہو کہ شوہر نامرد ہے، تو اولاً عورت خلع کرانے کی کوشش کرے، یعنی مہر باقی ہو تو معاف کر کے طلاق کا مطالبہ کرے۔ شوہر طلاق نہ دے تو اپنا معاملہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم اور جہاں یہ میسّر نہ ہو تو جماعتِ مسلمین (مسلمان پنچایت،

جس میں تجربے کار عالم بھی ہو، یا عالم کی رائے کے مطابق عمل ہوتا ہو) کے سامنے معاملہ پیش کرے، مسلمان حکام کو غیر مسلم گورنمنٹ کی جانب سے مذکورہ معاملے کے فیصلے کا قانوناً اختیار دیا گیا ہوتو اس کی کچہری (عدالت) میں مقدمہ دائر کیا جاسکتا ہے، یا میاں بیوی دونوں رضامند ہوکر کسی معاملہ فہم عالم کو حکم (پنچ) مقرر کرلیں، پھر یہ حضرات (شرعی قاضی، مسلم جج اور پنچ) معاملے کی پوری طرح تحقیق و تفتیش شرعی شہادت وغیرہ سے کریں۔ نامردی ثابت ہوجائے تو علاج کے لیے ایک سال کی مزید مہلت دیں، اچھا نہ ہونے پر اگر مرد طلاق دینے پر آمادہ نہ ہوتو قاضی، مسلمان حاکم یا جماعتِ مسلمین یا عالم پنچ اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیّب کا بیان ہے کہ جو کوئی کسی عورت سے نکاح کرے، اس کے ساتھ مجامعت کرنے کی طاقت اس میں نہ ہو (یعنی وہ نامرد ہو) تو اس کو ایک برس کی مہلت دی جائے، اگر اس مدت میں صحبت کرنے کے لائق ہوجائے، تو فبہا، ورنہ اس عورت کو مرد سے الگ کردیا جائے۔ (مؤطا امام مالک، ص214، مجتبائی)

فقہ کی معتبر کتاب قدوری میں ہے:

واذا کان الزوج عنیناً اجله الحاکم حولاً فان وصل
فی هذه المدة فلاخیار لها، والا فرق بینهما ان
طلبت المراة ذلک۔ (ص:166، مطبع العلیمی، لاہور)

یعنی جب شوہر نامرد ہوتو مسلمان حاکم اس کے علاج کے لیے ایک برس کی مدّت دے، اس مدّت میں اگر وہ عورت کے قابل ہوجائے تو بہتر، ورنہ عورت اگر مطالبہ کرے تو دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔ (الحیلۃ الناجزہ)

عورت کی تفریق میں غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں، لہٰذا قانونی کارروائی کے بعد شرعی پنچایت یا متفقہ پنچ معاملے کی سماعت کر کے فسخِ نکاح کا فیصلہ کریں۔ (فتاویٰ رحیمیہ:8/375 صالح)

خلع فسخ ہے یا طلاق

خلع کے بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ وہ طلاق ہے یا فسخ؟ جیسا کہ تفسیرِ قرطبی وغیرہ میں ہے:

واختلف العلماء في الخلع هل هو طلاق أو فسخ، فروي عن عثمان وعلي وابن مسعود وجماعة من التابعين: هو طلاق، وبه قال مالك والثوري والأوزاعي وأبو حنيفة: وأصحابه والشافعي في أحد قوليه۔ (القرطبی:3/83)

حضرت عثمان، علی، عبد اللہ ابن مسعود اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ خلع طلاق ہے اور یہی امام مالک، ثوری، اوزاعی، ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک ہے۔

علامہ ابن کثیر مختلف اقوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن عمر وعلی، وابن مسعود، وابن عمر، وبه يقول سعيد بن المسيب والحسن، عطاء، و شريح، و الشعبی، وإبراهيم، و جابر بن زيد، وإليه ذهب

مالـــک، و أبـــو حنيفـــة و أصـــحابه، و الثـــوری، و الأوزاعـــی، و عثمـــان البـــتی، و الشـــافعی فـــی الجديد۔ (تفسير ابن كثير: 2/352، مؤسسة قرطبه، جيزه)

حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابن عمر، سعید بن مسیب، حسن، عطا، شریح، شعبی، ابراہیم، جابر بن زید، مالک، ابوحنیفہ اوران کے ساتھی ثوری، اوزاعی اورابوعثمان کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے، امام شافعی کا بھی جدید قول یہی ہے۔

قال الكاسانی: إختلف في ماهية الخلع، قال أصحابنا: هو طلاق۔ (بدائع الصنائع: 3/144)

و قال العينی: أی: كيف حكم الطلاق فی الخلع؟ هل يقع الطلاق بمجرده أو لا يقع حتى يذكر الطلاق إما باللفظ أو بالنية؟ و للفقهاء فيه خلاف، فعند أصحابنا الواقع بلفظ الخلع و الواقع بالطلاق على مال بائن۔۔۔ و فی قول و هو أصح أقواله: إنه طلاق بائن كمذهبنا۔ (البنايه: 20/370، دار الكتب العلميه، بيروت)

قال العثمانی: (فإن طلقها فلا تحل له) و هذا يقتضی وقوع الطلاق بعد الخلع، و أن من طلق ثنتين فإن أخذ فداء له أن يطلق الثالثة۔۔۔ قلت: و فی كل ذلک دلالة على كون الخلع طلاقاً لا فسخاً كما لا يخفى۔ (إعلاء السنن: 3335)

طلاق وخلع میں فرق

(۱) طلاق مرد کا انفرادی حق ہے، جس میں بیوی کی خواہش اورمرضی کا کوئی دخل

نہیں، جب مرد طلاق کا لفظ استعمال کرے گا تو خواہ وہ چاہتی ہو یا نہ چاہتی ہو، اور قبول کرے یا قبول نہ کرے، بہ ہر صورت طلاق واقع ہو جائے گی، جب کہ خلع میں دونوں کی رضامندی شرط ہے۔

(۲) خلع کا مطالبہ عموماً عورت کی جانب سے ہوتا ہے، اگر مرد کی طرف سے اس کی پیشکش بھی ہو تو عورت کے قبول کرنے پر موقوف رہتی ہے، اگر وہ قبول کرلے تو خلع واقع ہوگا، ورنہ نہیں۔

(۳) عورت کے خلع قبول کرنے سے اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے، جب کہ طلاق سے مہر ساقط نہیں ہوتا، البتہ اگر شوہر یہ کہے کہ تمھیں اس شرط پر طلاق دیتا ہوں کہ تم مہر چھوڑ دو اور عورت قبول کرلے تو یہ 'طلاقِ معاوضہ' کہلائے گی اور مہر معاف ہو جائے گا۔

(۴) خلع میں شوہر کے لیے لفظ 'طلاق' استعمال کرنا ضروری نہیں، اگر عورت کہے کہ میں خلع چاہتی ہوں اور اس کے جواب میں شوہر کہہ دے کہ میں نے خلع دے دیا، تو خلع واقع ہو جائے گا۔ (مستفاد از آپ کے مسائل اور ان کا حل: 6/651، مکتبہ لدھیانوی، کراچی وغیرہ)

خلع طلاقِ بائن

خلع کا حکم یہ ہے کہ بغیر عوض خلع دے یا مال کے عوض صریح طلاق کے ذریعے عورت کو آزاد کردے، دونوں ہی صورتوں میں طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور چوں کہ خلع طلاق کے کنائی الفاظ کی طرح ہے، اس لیے الفاظِ کنائی کی طرح قرائن وحالات کا اعتبار ہوگا۔

جس طرح شدید ضرورت کے وقت مرد کے لیے عورت کو طلاق دینا جائز ہے، اسی

طرح اگر عورت نباہ نہ کر سکتی ہو اور اس رشتے کو ختم کرنے کی شدید ضرورت محسوس کرے تو اس کو اجازت ہے کہ شوہر نے جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے، وہ واپس کر کے اس سے گلوخلاصی کر لے۔ خلع میں عورت مال پیش کرے گی، اگر خاوند نے قبول کر لیا تو خلع ہو جائے گا، ورنہ نہیں اور خلع کے بعد عورت پر طلاقِ بائن ہو جائے گی اور نکاح ٹوٹ جائے گا۔ جیسا کہ حدیثِ مبارکہ ہے:

اسلمیین کے غلام جمہان رحمہ اللہ نے بیان کیا:

أُمِّ بَكْرٍ الأَسْلَمِيَّةِ، أَنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا عَبْدِ اللهِ بْنِ أَسِيدٍ، ثُمَّ أَتَيَا عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ: هِيَ تَطْلِيقَةٌ إِلا أَنْ تَكُونَ سَمَّتْ شَيْئًا فَهُوَ عَلَى مَا سَمَّتْ۔

(مؤطا امام مالک: 2464)

ام بکر اسلمیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر عبداللہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے خلع حاصل کر لیا، پھر دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تا کہ اس سلسلہ میں مسئلہ دریافت کریں۔ آپؓ نے فرمایا یہ ایک طلاق ہے، مگر یہ کہ وہ عورت اگر دو یا تین کا نام لے تو اتنی تعداد میں ہو جائیں گی۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَبِهَذَا نَأْخُذُ، الْخُلْعُ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ إِلا أَنْ يَكُونَ سَمَّى

ثَلاثًا، أَوْ نَوَاهَا فَيَكُونُ ثَلاثًا۔ (مؤطا امام مالک: 2464، مؤطا امام محمد: 563)

ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے، اگر تین کا نام لے یا تین کی نیت کرے تو تین ہی واقع ہو جائیں گی۔

ثابت ابن قیسؓ کی بیوی کے مطالبے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصلحت کے طور پر یہی حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دیں، اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دینے والے کے حق میں یہ اولیٰ وافضل ہے کہ وہ ایک طلاق دے تاکہ اگر رجوع کرنا منظور ہو از سرِ نو نکاح کیا جا سکے، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ خلع طلاق ہے فسخ نہیں ہے چناں چہ صاحب ہدایہ نے اس سلسلے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ الخلع تطلیقة بائنة یعنی خلع طلاق بائن ہے۔

'بائن' وہ طلاق ہے جس میں شوہر بغیر نکاح کے عورت سے ازداجی تعلقات قائم نہیں کرسکتا، طلاقِ بائن واقع ہوتے ہی عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ خلع کی صورت میں چوں کہ یہی طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے، لہٰذا اس میں رجوع بھی نہیں ہوسکتا، بلکہ اگر دونوں پھر سے ساتھ رہنا چاہیں تو از سرِ نو نکاح کرنا ہوگا۔ اس صورت میں عدت گزرنے کی قید بھی نہیں یعنی اگر عورت اپنے اسی شوہر سے نکاح کرنا چاہے جس سے خلع لیا ہے تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ عدت گزرنے کے بعد یہ نکاح ہو البتہ کسی اور شخص سے نکاح کرنا چاہے تو عدت گزرنے کے بعد ہی کرسکتی ہے۔ خلع کے بعد عورت کی عدت تین حیض تک ہے۔ تین حیض گزرنے کے بعد وہ آزاد ہے، جس کے ساتھ بھی شادی کرنا چاہے، کرسکتی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم جَعَلَ الْخُلْعَ تَطْلِيقَةً بَائِنَةً۔ (الدار قطني: 4070)

خلع سے طلاق بائن ہوجاتی ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أن النبی صلى الله عليه وآله وسلم جعل الخلع تطلیقة۔ (إعلاء السنن: 3329)

حکمه أن الواقع به ولو بلا مال وبالطلاق الصریح علی مال طلاق بائن۔ (الدر مع الرد: 5/91)

وَفی الهدایة: الخلع تطلیقته بائنة۔ (الهدایة: 3/280، ادارة القرآن والعلوم اسلامیة، بیروت)

وَفی المبسوط: الخلع تطلیقة بائنة عندنا۔ (المبسوط السرخسی: 6/171، دار المعرفة، بیروت)

وَفی الهندیة: (وَحُكْمُهُ) وُقُوعُ الطَّلَاقِ الْبَائِنِ كَذَا فِي التَّبْيِينِ۔ (هندیة: 1/519)

وفی الموسوعة الفقهیه: حقیقة الخلع: لا خلاف بین الفقهاء في أنّ الخلع إذا وقع بلفظ الطّلاق أو نوى به الطّلاق فهو طلاق وإنّما الخلاف بينهم في وقوعه بغير لفظ الطّلاق ولم ينو به صريح الطّلاق أو كنايته۔ فذهب الحنفيّة في المفتى به والمالكيّة والشّافعيّ في الجديد والحنابلة في رواية عن أحمد إلى أنّ الخلع طلاق۔ وذهب الشّافعيّ في القديم والحنابلة في أشهر ما يروى عن أحمد إلى أنّه فسخ۔ هذا والقائلون بأنّ الخلع طلاق متّفقون على أنّ الّذي يقع به طلقة بائنة، لأنّ الزّوج ملك البدل عليها فتصير هي بمقابلته أملك لنفسها، ولأنّ غرضها من التزام البدل أن تتخلّص من الزّوج ولا يحصل ذلك إلاّ بوقوع البينونة۔ إلاّ أنّ الحنفيّة ذكروا أنّ الزّوج إن نوى بالخلع ثلاث تطليقات فهي ثلاث، لأنّه بمنزلة ألفاظ الكناية، وإن

نوی اثنتين فهي واحدة بائنة عند غير زفر، وعنده ثنتان، كما في لفظ الحرمة والبينونة وبه قال مالك، الخ۔ (الموسوعة الفقهيه الكوتية: 19/237)

طلاقِ بائن کے بعد خلع

طلاقِ بائن کے بعد اگر خلع کیا تو خلع صحیح نہیں ہوگا اور اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال السرخسی: وان قال لها بعد البيونة خلعتک ينوی به الطلاق، لم يقع۔ (المبسوط: 6/175)

خلع کو طلاق ماننے نہ ماننے کا اثر

جن حضرات کے نزدیک 'خلع' کی حیثیت طلاق کی سی ہے، ان کے نزدیک اگر بیوی کو ایک مرتبہ خلع دے دیا گیا تو یہ ایک طلاق شمار ہوگی، لہٰذا اسی شوہر سے باہمی رضامندی کے بعد اگر پھر سے نکاح کرلیا گیا تو اب صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہے گا یعنی خلع کے بعد اسی شوہر سے تجدیدِ نکاح کرلینے کی صورت میں مزید دو طلاق دیے جانے پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوجائے گی، لیکن جو حضرات خلع کو فسخ قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک اس صورت میں بھی بہ دستور تین طلاقوں کا اختیار رہے گا۔

قال السرخسی: فائدة هذا الإختلاف أنه لو خالعها بعد تطليقتين عندنا لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، وعنده له أن يتزوجها، وإن نوى بالخلع ثلاث تطليقات فهی ثلاث، لأنه بمنزلة ألفاظ الكناية، وقد بينا أن نية الثلاث تسع هناک، فكذلک فی الخلع وإن نوی اثنتين فهی واحدة بائنة الخ۔ (المبسوط: 6/172)

و فی الهندية: وَلَوْ تَزَوَّجهَا مِرَارًا وَخَلَعَهَا فِي كُلِّ عَقْدٍ عِنْدَنَا لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا بَعْدَ الثَّلَاثِ قَبْلَ الزَّوْجِ الثَّانِي كَذَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِقَاضِي خَانْ۔
(هندية:1/519)

خلع کے ارکان

خلع کے ارکان دیگر معاملات کی طرح فقط دو ہیں؛ (۱) ایجاب (۲) قبول۔ جیسا کہ علامہ کاسانی رقم طراز ہیں:

> أما ركنه، فهو الإيجاب والقبول، لأنه على الطلاق بعوض، فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔ (البدائع الصنائع:3/145)
>
> رہا خلع کا رکن تو وہ ایجاب وقبول ہے، اس لیے کہ یہ معاوضے کے ساتھ طلاق کا معاملہ ہے، لہٰذا ایجاب کے بعد بغیر قبول کے علاحدگی واقع نہیں ہوگی۔

فی الموسوعة: أركانه و ماقاله الفقهاء في شروطها: للخلع عند غير الحنفيّة خمسة أركان؛ وهي: الموجب، القابل، المعوّض، العوض، الصّيغة۔ وفی الموسوعة: فالموجب: الزّوج أو وليّه، والقابل: الملتزم للعوض، والمعوّض: الاستمتاع بالزّوجة، والعوض: الشّيء المخالع به، والصّيغة، الإيجاب والقبول والألفاظ الّتي يقع بها الخلع۔ وأمّا الحنفيّة فقد ذكروا له ركنين إن كان بعوض وهما: الإيجاب والقبول، لأنّه عقد على الطّلاق بعوض،

فلاتقع الفرقة ولا يستحقّ العوض بدون القبول، بخلاف الخلع بغير عوض فإنّه إذا قال خالعتك ولم يذكر العوض ونوى الطّلاق فإنّه يقع الطّلاق عليها، سواء قبلت أو لم تقبل، لأنّ ذلك طلاق بغير عوض فلا يفتقر إلى القبول۔(الموسوعة الفقهية الكويتية: 19/244)

مختصر یہ کہ خلع زوج کی جانب سے یمین ہے اور عورت کی طرف سے معاوضہ اور ایجاب ہے۔ اگر زوج لفظِ خلع پہلے استعمال کرلے تو عورت کو مجلسِ علم میں قبول کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور مجلسِ علم کے برخاست کے بعد عورت کو قبول کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا اور زوج کی وہ یمین ختم ہوجاتی ہے اور عورت کی طرف سے اگر ابتداءً ایجاب ہو تو چوں کہ اس کی جانب سے معاوضہ ہے، اس لیے اس مجلسِ ایجاب میں قبول کرنا شرط ہے۔ مجلس میں ردّ کرنے سے ایجاب ختم ہوجاتا ہے اور اگر رد بھی نہ کیا گیا اور نہ قبول کیا گیا اور مجلس برخاست ہوگئی، تب بھی قبول کرنے سے خلع نہیں ہوجاتا، جب تک کہ عقدِ جدید نہ ہو۔ (فتاویٰ مفتی محمود: 7/329)

ناپاکی کے ایام میں خلع

ایامِ ناپاکی میں اگر عورت کو خلع دیا گیا تو واقع ہوجائے گا، جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والی صحابیہ رضی اللہ عنہا سے بہ وقت مخصوص ایام کے متعلق تفصیل دریافت نہ کرنے سے مستفاد ہوتا ہے۔

قال ابن حجر: وفيه أن الخلع جائز في الحيض لأنه صلى الله عليه وآله وسلم لم يستفصلها أحائض هي أم لا؟(فتح الباری: 9/314)

و فی المغنی: و لا بأس بالخلع في الحيض و الطهر الذي أصابها فيه لأن المنع من الطلاق في الحيض من أجل الضرر الذي يلحقها بطول العدة و الخلع لإزالة الضرر الذي يلحقها بسوء العشرة و المقام مع من تكرهه و تبغضه و ذلك أعظم من ضرر طول العدة، فجاز دفع أعلاهما بأدناهما و لذلك لم يسأل النبي ﷺ المختلعة عن حالها و لأن ضرر تطويل العدة عليها، و الخلع يحصل بسؤالها فيكون ذلك رضاء منها به و دليلا على رجحان مصلحتها فيه۔ (المغنی: 10/269)

و فی الموسوعة: وقت الخلع: صرّح الشّافعيّة و الحنابلة أنّ الخلع جائز في الحيض و الطّهر الّذي أصابها فيه، لأنّ المنع من الطّلاق في الحيض للضّرر الّذي يلحقها بتطويل العدّة، و الخلع شرع لرفع الضّرر الّذي يلحقها بسوء العشرة و التّقصير في حقّ الزّوج، و الضّرر بذلك أعظم من الضّرر بتطويل العدّة، فجاز دفع أعظم الضّررين بأخفّهما، و لذلك لم يسأل النّبيّ صلى الله ﷺ عن حالها، و لأنّ ضرر تطويل العدّة عليها و الخلع يحصل بسؤالها فيكون ذلك رضاءً منها به و دليلاً على رجحان مصلحتها فيه۔ (الموسوعة الفقهية الو كتية: 19/244)

رخصتی سے قبل خلع

اگر بیوی نے نکاح کے بعد رخصتی سے قبل شوہر سے خلع کا مطالبہ کیا اور اب تک خلوتِ صحیحہ و یکجائی نہیں ہوئی ہے اور شوہر نے خلع دے دیا تو لڑکی کے لئے شرعاً عدت کا حکم نہیں ہے، وہ خلع کے فوراً بعد کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۔(الاحزاب:49)

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انھیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انھیں مَس (خلوتِ صحیحہ) کرو، تو تمھارے لیے ان پر کوئی عدّت نہیں ہے کہ تم اسے شمار کرو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

أربع من النساء لا عدة عليهن المطلقة قبل الدخول۔ (هندية: كتاب الطلاق)

خلاصہ یہ کہ اگر شوہر کے ساتھ خلوت ہوئی ہے کہ ایک کمرے میں دونوں کسی وقت بغیر کسی حائل کے اکٹھے ہوئے ہوں تو عدت واجب ہے، لیکن اگر خلوت نہیں ہوئی تو عدت واجب نہیں۔ (فتاویٰ مفتی محمود:7/310)

جدید آلات کے ذریعے خلع

جدید آلات جہاں دیگر موقعوں پر کام آتے ہیں، وہیں نکاح وطلاق کے لیے بھی ان ذرائع کا استعمال کیا جانے لگا ہے۔ ہندو پاک میں تو کم، لیکن ترقی یافتہ ملکوں میں خصوصیت سے ان آلات کو وسائل کے طور پر استعمال کیا جانے لگا ہے۔ اس لیے ان آلات

کے حوالے سے چند مسائل کا ذکر کرنا ناگزیر ہے۔

☆اگر کسی نے بیوی کو ایس ایم ایس کیا کہ اگر تم مہر معاف کردو تو میں تمھیں طلاق دے دوں گا اور بیوی نے جواباً ایس ایم ایس ارسال کیا کہ میں معاف کرتی ہوں اور شوہر نے لکھا کہ میں خلع کرتا ہوں، تو خلع صحیح ہو جائے گا۔

☆اسی طرح اگر کسی نے بیوی کے وائس میل (voice mail) پر خلع کا پیغام چھوڑا اور بیوی نے اس کو ایس ایم ایس کے ذریعے قبول کرلیا، تو خلع صحیح ہو جائے گا۔

☆زوجین میں سے کسی ایک نے موبائل فون پر یا ویڈیو کانفرنسگ (video conferencing) کے ذریعے خلع کی پیش کش کی اور دوسرے نے قبول کرلی، تو خلع صحیح ہو جائے گا۔ (موبائل فون کے ذریعت نکاح وطلاق:300-299)

بدلِ خلع

خلع کے بدلے میں جو مال وغیرہ شوہر کو ملتا ہے، اسے 'بدلِ خلع' کہتے ہیں، جو مہر یا مال وغیرہ کے بہ عوض ہوتا ہے اور کبھی بلا عوض۔ جس چیز کا مہر ہونا جائز ہے، اس کا بدلِ خلع ہونا بھی جائز ہے اور باہم رضامندی سے اگر بدلِ خلع شراب یا سور یا مردار یا خون طے کرلیا اور شوہر نے عورت سے اسے قبول کرلیا تو بھی خلع واقع ہو جائے گا اور عورت پر کچھ مال واجب نہ ہوگا اور نہ وہ اپنے مہر میں سے کچھ واپس کرے گی۔

فی الهندية: مَا جَازَ أَنْ يَكُونَ مَهْرًا جَازَ أَنْ يَكُونَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ كَذَا فِي الْهِدَايَةِ وَإِذَا وَقَعَتْ الْمُخَالَعَةُ عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ أَوْ مَيْتَةٍ أَوْ دَمٍ وَقَبِلَ الزَّوْجُ ذَلِكَ مِنْهَا تَثْبُتُ الْفُرْقَةُ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ جُعْلٍ وَلَا تَرُدُّ مِنْ مَهْرِهَا شَيْئًا كَذَا فِي

الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ۔(ھندیة: 1/524)

اگر عورت نے عقدِ خلع میں ایسی چیز بیان کی جو مال ہے لیکن اشارہ ایسی چیز کی طرف کیا جو مال نہیں ہے، مثلاً اس نے سرکے کے مٹکے کی طرف اشارہ کر کے اس پر خلع کیا مگر اس میں شراب نکلی تو اگر شوہر کو معلوم تھا کہ اس میں شراب ہے تو اس کو کچھ نہ ملے گا اور اس کی حقیقت معلوم نہ تھی تو جو کچھ مہر اس نے عورت کو دیا ہے، واپس لے گا اور یہی امام اعظمؒ کا قول ہے۔

إِذَا سَمَّتْ فِي الْخُلْعِ مَا هُوَ مَالٌ وَأَشَارَتْ إِلَى مَا لَيْسَ بِمَالٍ بِأَنْ اخْتَلَعَتْ عَلَى هَذَا الدَّنِّ مِنْ الْخَلِّ فَإِذَا هُوَ خَمْرٌ إِنْ عَلِمَ الزَّوْجُ بِكَوْنِهِ خَمْرًا فَلَا شَيْءَ لَهُ وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ رَجَعَ عَلَيْهَا بِالْمَهْرِ الَّذِي أَعْطَاهَا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، كَذَا فِي الْمُحِيطِ۔(ھندیة: 1/525، الشامیة: 5/98)

مہر اور خلع

اگر عورت کو اس کے مہر پر خلع دیا گیا تو اگر عورت مدخولہ ہو اور مہر لے چکی ہو تو شوہر اس سے مہر واپس لے لے گا اور اگر اب تک لیا نہ ہو تو مہر شوہر سے ساقط ہو جائے گا۔ اگر عورت مدخولہ نہ ہو اور اگر اس نے مہر لے لیا ہو تو استحساناً شوہر اس سے مہر واپس لے لے گا اور اگر اس نے مہر وصول نہ کیا ہو تو استحساناً شوہر اس سے کچھ نہیں لے گا اور شوہر کے ذمّے سے مہر ساقط ہو جائے گا۔

فی الھندیة:

إِنْ خَالَعَهَا عَلَى مَهْرِهَا فَإِنْ كَانَتْ الْمَرْأَةُ مَدْخُولًا بِهَا

وَقَدْ قَبَضَتْ مَهْرَهَا يُرْجِعُ الزَّوْجُ عَلَيْهَا بِمَهْرِهَا، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَقْبُوضًا سَقَطَ عَنِ الزَّوْجِ جَمِيعُ الْمَهْرِ، وَلَا يَتَّبِعُ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ بِشَيْءٍ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مَدْخُولًا بِهَا فَإِنْ كَانَتْ قَبَضَتْ مَهْرَهَا وَهُوَ أَلْفُ دِرْهَمٍ رَجَعَ الزَّوْجُ عَلَيْهَا فِي الِاسْتِحْسَانِ بِأَلْفٍ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ قَبَضَتْ فِي الِاسْتِحْسَانِ يَسْقُطُ الْمَهْرُ عَنِ الزَّوْجِ۔۔۔ رَجُلٌ خَلَعَ امْرَأَتَهُ بِمَا لَهَا عَلَيْهِ مِنْ الْمَهْرِ ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهَا عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ عَلَيْهَا رَدُّ الْمَهْرِ۔ (هندية: 1/520)

مہر سے زیادہ پر خلع

ابن ماجہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

فأمره رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أن يأخذ منها حديقته ولا يزداد۔ (بخاری: 5273، 5274، الدر المنثور: 2/677)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابی کو ان کی بیوی سے اپنا باغ لینے اور زیادتی نہ کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

حضرت عطا روایت کرتے ہیں:

أن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كره أن يأخذ من المختلعة أكثر مما أعطاها۔ (الدر المنثور: 2/682، بیہقی: 7/314)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناپسند فرماتے تھے کہ مرد خلع کرنے والی عورت سے اس سے زیادہ مال واپس لے، جو اس نے دیا تھا۔

نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ مَوْلاةً لِصَفِيَّةَ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِكُلِّ شَيْءٍ لَهَا، فَلَمْ يُنْكِرْهُ ابْنُ عُمَرَ۔ (مؤطا امام مالک: 2456، روایۃ ابن مصعب: 1611)

صفیہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی نے اپنی تمام اشیاء دے کر اپنے خاوند سے خلع حاصل کرلیا، تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو ناپسند نہیں فرمایا۔

اس اثر کو امام مالک رحمہ اللہ نے 'باب: ماجاء فی الخلع' میں ذکر کیا ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں:

مَا اخْتَلَعَتْ بِهِ امْرَأَةٌ مِنْ زَوْجِهَا فَهُوَ جَائِزٌ فِي الْقَضَاءِ، وَمَا نُحِبُّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا، وَإِنْ جَاءَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِهَا، فَأَمَّا إِذَا جَاءَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِهِ لَمْ نُحِبَّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا قَلِيلا وَلا كَثِيرًا، وَإِنْ أَخَذَ فَهُوَ جَائِزٌ فِي الْقَضَاءِ، وَهُوَ مَكْرُوهٌ لَهُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ تَعَالَى، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ۔ (مؤطا امام

مالک:2456، مؤطا امام محمد:562)

عورت اپنے خاوند سے جس چیز پر بھی خلع کرے فتویٰ و قضا کے لحاظ سے یہ جائز ہے لیکن ہمارے ہاں یہ بات پسندیدہ نہیں کہ خاوند اپنے مہر کی مقدار سے زیادہ رقم لے، اگرچہ زیادتی اور اختلاف کی ابتدا عورت کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو (اس لیے کہ یہ خلاف مروت ہے)، اور اگر اختلاف مرد کی طرف سے ہو تو ہم پسند نہیں کرتے کہ وہ اس مقدار مہر سے تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی لے، البتہ بہ لحاظ فتویٰ لینا درست ہے، لیکن بندے اور اللہ تعالی (یعنی حقوق اللہ) کے لحاظ سے مکروہ ہے، یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

علامہ بیہقی نے کثیر مولی سمرہ سے روایت کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک عورت نے اپنے خاوند کی نافرمانی کی، آپؓ نے اسے کثیر کے گھر میں رہنے کا حکم دیا، وہ دو یا تین ٹھہری رہی، پھر اس نے اسے نکال دیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: تونے کیسا محسوس کیا۔

اس نے کہا: میں نے صرف ان دودنوں میں راحت محسوس کی ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس سے خلع کردے، اگرچہ اس کی کان کی بالی پر ہی ہو۔

عن كثير مولى سمرة، أن امرأة نشزت من زوجها في امارة عمر، فأمر بها

إلى بيت كثير الزبل، فمكثت ثلاثة أيام ثم أخرجها فقال: كيف رأيت؟ قالت: ما وجدت الراحة إلا في هذه الأيام۔ فقال عمر: اخلعها ولو من قرطها۔ (الدر المنثور: 2/682، عبدالرزاق: 11851)

حضرت عبداللہ بن رباح سے روایت ہے، حضرت عمر بن خطاب ؓ نے فرمایا:

تختلع بما دون عقاص رأسها۔ (الدر المنثور: 2/683)

خلع کر لے، اپنے سر کے بالوں کی چوٹی سے کم کے بدلے میں۔

وفی الهداية: ولو أخذ الزيادة جاز فی القضاء۔ (الهداية: 3/282)

و فی الهندية: وَإِنْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِهَا كَرِهْنَا لَهُ أَنْ يَأْخُذَ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا مِنْ الْمَهْرِ وَلَكِنْ مَعَ هَذَا يَجُوزُ أَخْذُ الزِّيَادَةِ فِي الْقَضَاءِ، كَذَا فِي غَايَةِ الْبَيَانِ۔ (هندية: 1/519)

وقال ابن قدامة: قال: [ولا يستحب له أن يأخذ أكثر مما أعطاها] هذا القول يدل على صحة الخلع بأكثر من الصداق, وأنهما إذا تراضيا على الخلع بشيء صح وهذا قول أكثر أهل العلم۔۔۔ فنقول: الآية دالة على الجواز والنهي عن الزيادة للكراهية والله أعلم۔ (المغنی: 10/269)

'امداد الفتاویٰ' میں ہے:

طریقہ خلع کا یہ ہے کہ دونوں میاں بی بی میں ناموافقت ہوئی، عورت نے کچھ مال دینا طے کیا کہ یہ لے کر مجھے چھوڑ دے اور اس مرد نے منظور کر لیا، پس یہ خلع ہو گیا اور طلاقِ

بائن پڑ گئی اور عورت پر مالِ مذکور واجب ہو گیا اور اگر مہر سے کم پر کیا ہے تو وہ مقدار مرد سے ساقط ہو گئی، باقی ذمّے رہا اور جو مہر سے زیادہ پر کیا تو سارا مہر ساقط ہو گیا اور زیادتی عورت پر واجب رہی، پھر یہ کہ یہ زیادتی لینی مرد کو جائز ہے یا نہیں، تو عند اللہ مکروہ ہے لیکن حاکم دلوا دے گا۔ وإن كان النشوز منها كرهنا له أن يأخذ منها أكثر مما أعطاها ولو أخذ الزيادة جاز في القضاء۔

(ہدایہ:1/385، امداد الفتاویٰ:2/472)

بدلِ خلع کی مقدار

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا کہ خلع کا معاملہ معاوضہ علی طلاق کا سا ہے، اس لیے فریقین مہر یا جتنے مال پر بھی اتفاق کر لیں، اس کا لینا دینا جائز و درست ہوگا، جیسا کہ علامہ خطابی رقم طراز ہیں:

ذهب أكثر الفقهاء إلى أن ذلك جائز على ما تراضيا عليه، قل ذلك أو كثر۔ (معالم السنن:3/255)

اکثر فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ خلع میں فریقین جتنی مقدار پر راضی ہو جائیں، جائز ہے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔

مؤطا امام مالک میں ہے:

إِنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِكُلِّ شَيْءٍ لَهَا فَلَمْ يُنْكِرْ

ذَلِكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ۔ (مؤطا امام مالک: 2456)

صفیہ بنت ابوعبید کی لونڈی نے اپنے خاوند سے سارے مال کے بدلے میں خلع کیا تو عبداللہ بن عمر نے اس کو برا نہ جانا۔

امام مالک نے فرمایا:

فِي الْمُفْتَدِيَةِ الَّتِي تَفْتَدِي مِنْ زَوْجِهَا أَنَّهُ إِذَا عُلِمَ أَنَّ زَوْجَهَا أَضَرَّ بِهَا وَضَيَّقَ عَلَيْهَا وَعُلِمَ أَنَّهُ ظَالِمٌ لَهَا مَضَى الطَّلَاقُ وَرَدَّ عَلَيْهَا مَالَهَا۔ قَالَ فَهَذَا الَّذِي كُنْتُ أَسْمَعُ وَالَّذِي عَلَيْهِ أَمْرُ النَّاسِ عِنْدَنَا۔ قَالَ مَالِكٌ لَا بَأْسَ بِأَنْ تَفْتَدِيَ الْمَرْأَةُ مِنْ زَوْجِهَا بِأَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا۔ (مؤطا امام مالک: 2457، مؤطا امام محمد: 562)

جو عورت مال دے کر اپنا پیچھا چھڑائے پھر معلوم ہو کہ خاوند نے سراسر ظلم کیا تھا اور عورت کا کچھ قصور نہ تھا بلکہ خاوند نے زور ڈال کر زبردستی سے اس کا پیسہ مار لیا تو عورت پر طلاق پڑ جائے گی، اور مالک اس کا پھروا دیا جائے گا میں نے یہی سنا اور میرے نزدیک یہی حکم ہے، اگر عورت جتنا خاوند نے اس کو دیا ہے اس سے زیادہ دے کر اپنا پیچھا چھڑائے تو کچھ قباحت نہیں۔

'فتاویٰ دارالعلوم دیوبند' میں ہے:

فقہاء نے اس بارے میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر قصور شوہر کا ہے اور نافرمانی اس کی طرف سے ہے تو خلع میں اس کو عورت سے کچھ مال لینا حرام ہے اور اگر نافرمانی زوجہ کی طرف سے ہے تو درست ہے، پھر یہ اختلاف ہے کہ دیے ہوئے سے زیادہ لینا درست ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ جائز ہے، مگر خلافِ اولیٰ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: 10/124)

'احسن الفتاویٰ' میں ہے:

اگر شوہر کا قصور ہو تو طلاق کے عوض بیوی سے کچھ لینا حرام ہے اور بیوی کا قصور ہو یا میاں بیوی دونوں قصوروار ہوں تو لینا جائز ہے، مگر شوہر نے جو کچھ دیا ہے اس سے زیادہ لینا خلافِ اَولیٰ ہے۔ (احسن الفتاویٰ: 5/379)

وَفِي الهندية: إِنْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَخْذُ شَيْءٍ مِنْ الْعِوَضِ عَلَى الْخُلْعِ وَهَذَا حُكْمُ الدِّيَانَةِ فَإِنْ أَخَذَ جَازَ ذَلِكَ فِي الْحُكْمِ وَلَزِمَ حَتَّى لَا تَمْلِكَ اسْتِرْدَادَهُ كَذَا فِي الْبَدَائِعِ۔ (هندية: 1/519، شامی: 94-5/93)

وفي الموسوعة: وفصّل الحنفيّة فقالوا: إن كان النّشوز من جهة الزّوج كره له كراهة تحريم أخذ شيء منها، لقوله تعالى: {وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا}۔ ولأنّه

أوحشها بالفراق فلا يزيد إيحاشها بأخذ المال، وإن كان النّشوز من قبل المرأة لا يكره له الأخذ، وهذا بإطلاقه يتناول القليل والكثير، وإن كان أكثر ممّا أعطاها وهو المذكور في الجامع الصّغير، لقوله تعالى: {فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ}۔ وقال القدوري: إن كان النّشوز منها كره له أن يأخذ منها أكثر ممّا أعطاها وهو المذكور في الأصل 'من كتب ظاهر الرّواية' لقوله صلى الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في امرأة ثابت بن قيس: أمّا الزّيادة فلا۔ وقد كان النّشوز منها، ولو أخذ الزّيادة جاز في القضاء، وكذلك إذا أخذ والنّشوز منه، لأنّ مقتضى ما ذكر يتناول الجواز والإباحة، وقد ترك العمل في حقّ الإباحة لمعارض، فبقي معمولاً في الباقي۔ (الموسوعة الفقهية الكوتية: 19/243)

بلا ذکرِ مال

اگر عقدِ خلع میں مہر وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا، مگر آج کل عرفِ عام میں لفظ خلع صرف اسقاطِ مہر ہی کے معنی میں مستعمل ہے، اس لیے خلع بلا ذکرِ عوض بھی مسقطِ مہر ہے۔ (احسن الفتاویٰ: 5/382)

یعنی مرد نے فقط اتنا کہا میں نے تجھ سے خلع کیا اور عورت نے قبول کرلیا روپے پیسے کا ذکر نہ مرد نے کیا نہ عورت نے، تب بھی جو حق مرد کا عورت پر ہے اور جو حق عورت کا مرد پر ہے سب معاف ہوا۔ اگر مرد کے ذمے مہر باقی ہو تو وہ بھی معاف ہو گیا اور اگر عورت پا چکی ہے تو خیر اب اس کا پھیرنا واجب نہیں البتہ عدت کے ختم ہونے تک روٹی کپڑا اور رہنے کا گھر دینا پڑے گا، ہاں اگر عورت نے کہہ دیا ہو کہ عدت کا روٹی کپڑا اور رہنے کا گھر بھی تجھ سے نہ

لوں گی تو وہ بھی معاف ہوگا۔ اگر اس کے ساتھ مال کا بھی ذکر کر دیا جیسے یوں کہا، سو روپے کے عوض میں نے تجھ سے خلع کیا پھر عورت نے قبول کر لیا تو خلع ہو گیا اب عورت کے ذمے سو روپے دینے واجب ہو گئے۔ اپنا مہر پا چکی ہو تب بھی سو روپے دینے پڑیں گے اور اگر مہر ابھی نہ پایا ہو تب بھی دینے پڑیں گے اور مہر بھی نہ ملے گا، کیوں کہ وہ بوجہ خلع معاف ہو گیا۔
(بہشتی زیور:180)

فی الهندية: لَوْ خَالَعَهَا وَلَمْ يَذْكُرِ الْعِوَضَ، الصَّحِيحُ أَنَّهُ يَبْرَأُ كُلٌّ مِنْ صَاحِبِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَى الزَّوْجِ مَهْرٌ تَرُدُّ مَا سَاقَ إِلَيْهَا مِنَ الْمَهْرِ لِأَنَّ الْمَالَ مَذْكُورٌ بِذِكْرِ الْخُلْعِ عُرْفًا، كَذَا فِي الْوَجِيزِ لِلْكَرْدَرِيِّ وَهٰكَذَا فِي الْخُلَاصَةِ۔ (هندية: 1/525)

اگر میاں بیوی نے باہم رضامندی سے خلع کیا اور مالِ عوض کا بیان نہ کیا تو صحیح یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کے حق سے بری ہو جائے گا یعنی خلع واقع ہو جائے گا اور شوہر نے مہر ادا نہ کیا ہو تو وہ ساقط ہو جائے گا، اگر مہر ادا کر چکا ہو تو وہ مہر لوٹائے گی، اس لیے کہ عرف میں خلع کے ذکر میں مال گویا مذکور ہوتا ہے، پس حکم میں معتبر ہوگا۔

شوہر کی دی ہوئی چیزوں کی واپسی

خلع میں جو کچھ طے پائے اس کی ادائیگی تو عورت پر واجب ہے اور جو اشیا خلع میں ذکر نہیں کیں، جب کہ وہ اشیا عورت کو بہ طورِ ملک کے دی گئی ہوں، بہ طور عاریت یا اباحت کے نہیں، تو ان کی واپسی واجب نہیں، اور عورت کے لیے ان اشیا کو اپنے پاس رکھ لینا جائز ہے۔ (فتاویٰ مفتی محمود:7/30 بترمیم)

حقوقِ واجبہ کا سقوط

خلع ومبارات سے میاں بیوی کا ہر وہ حق جو نکاح کے سبب ایک دوسرے پر تھا، ساقط ہوجاتا ہے یعنی خلع شرعاً طلاقِ بائن کے حکم میں ہوتا ہے اوراس سے مہر اور نان ونفقہ وغیرہ سب ساقط ہوجاتا ہے، البتہ نفقۂ عدت اور ایامِ عدت کا سکنی زائل نہیں ہوتا، ہاں اگر میاں بیوی دونوں اس کی تصریح کردیں یا فقط مرد تصریح کردے، تو یہ نفقہ بھی زائل ہوجائے گا، سکنی پھر بھی زائل نہ ہوگا۔

فی الهندية: وَيَسْقُطُ الْخُلْعُ وَالْمُبَارَأَةُ كُلُّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ، كَذَا فِي كَنْزِ الدَّقَائِقِ۔ وَالطَّلَاقُ عَلَى مَالٍ فِيهِ رِوَايَتَانِ, وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يُوجِبُ الْبَرَاءَةَ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ۔۔۔ امْرَأَةٌ اخْتَلَعَتْ عَلَى أَنَّهَا بَرِيئَةٌ مِنْ النَّفَقَةِ وَالسُّكْنَى، تَمَّ الْخُلْعُ وَيَبْرَأُ عَنْ النَّفَقَةِ وَلَا تَبْطُلُ السُّكْنَى، وَإِنْ اُخْتُلِعَتْ عَلَى أَنَّ مُؤْنَةَ السُّكْنَى عَلَيْهَا كَانَ عَلَيْهَا أَنْ تَكْتَرِيَ بَيْتًا مِنْ زَوْجِهَا أَوْ مِنْ غَيْرِهِ فَتَعْتَدُّ فِيهِ۔
(هندية:522-1/522)

وفی الموسوعة: والطّلاق على مال هو في أحكامه كالخلع عند الحنفيّة، لأنّ كلّ واحد منهما طلاق بعوض فيعتبر في أحدهما ما يعتبر في الآخر إلاّ أنّهما يختلفان من ثلاثة أوجه: أحدها: يسقط بالخلع في رأي أبي حنيفة كلّ الحقوق الواجبة لأحد الزّوجين على الآخر بسبب الزّواج، كالمهر، والنّفقة الماضية المتجمّدة أثناء الزّواج، لكن لا تسقط نفقة العدّة لأنّها لم تكن واجبة قبل الخلع فلا يتصوّر إسقاطها به، بخلاف الطّلاق على مال فإنّه لا يسقط به شيء

من حقوق الزّوجين، ويجب به المال المتّفق عليه فقط۔ (الموسوعة الفقهية الكوتية: 19/235)

خلاصہ یہ کہ اگر خلع میں ایامِ عدت کے نفقہ وسکنیٰ کا ذکر نہ آیا ہو تو یہ دونوں ساقط نہ ہوں گے اور اگر ان دونوں کے سقوط کی تصریح کی ہو تو دونوں ساقط ہو جائیں گے، مگر چوں کہ عدت اسی مکان میں گزارنا واجب ہے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے اس لیے اگر بہ وقتِ طلاق زوج کے مکان میں سکونت تھی تو عدت گزرنے تک وہاں سے نکلنا جائز نہیں، بلکہ اسقاطِ سکنیٰ کی وجہ سے زوج کو مکان کا کرایہ ادا کرے۔ (احسن الفتاویٰ: 5/378)

قال السرخسی: ولا يصح ابراؤها عن السنكی فی الخلع، لأن خروجها من بيت الزوج معصية، قالوا ولو أبرأته عن مؤنة السكنى بأن سكنت فی بيت نفسها، التزمت مؤنة السكنی من مالها۔ (المبسوط: 6/173)

و فی الدر المختار: صح لإختصاص البراءة بحقوق النكاح (إلا نفقة العدة) و سكناها، فلا يسقطان (إلا إذا نص عليها) فسقط النفقة لا السكنی لأنها حق الشرع۔ (الدر المختار مع الرد المحتار: 5/108)

خلع کے بعد گذشتہ زمانے کا نفقہ

اگر عورت خلع کے بعد گذشتہ زمانے کے نان و نفقے کا دعویٰ کرے تو یہ صحیح نہیں، کیوں کہ خلع سے گذشتہ نفقہ سب ساقط ہو جاتا ہے، البتہ عدت کا نفقہ بدون تصریح کے ساقط نہیں ہوتا، اس لیے عورت عدت کے نفقے کا دعویٰ کر سکتی ہے، اور گذشتہ زمانۂ حالتِ نکاح کے نفقے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ (مستفاد از فتاویٰ دار العلوم دیوبند: 10/117)

کسی اور سے متعلق حقوق

خلع کے بدلے میں عورت اپنے کسی بھی حق سے دست بردار ہوسکتی ہے لیکن وہ حقوق جو کہ شرعی ہوں، جیسے سکنیٰ یا دوسرے انسانوں سے متعلق حقوق جیسے اولاد کی پرورش وغیرہ، ان سے دست بردار نہیں ہوسکتی، اس لیے اولاد کی پرورش کو بدلِ خلع کے طور پر شرط نہیں ٹھہرایا جاسکتا نیز اگر ٹھہرایا گیا تو حنفیہ کے نزدیک طلاقِ خلع واقع ہوجائے گی لیکن اس شرط کو پورا نہیں کیا جائے گا۔

قال السرخسی: وَإِذَا اخْتَلَعَتْ الْمَرْأَةُ مِنْ زَوْجِهَا عَلَى أَنْ تَتْرُكَ وَلَدَهَا عِنْدَ الزَّوْجِ، فَالْخُلْعُ جَائِزٌ، وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ۔ (المبسوط: 6/169، وانظر الخانیۃ علی ہامش الهندية: 1/537)

اگر عورت نے اس بات پر خلع لیا کہ وہ بالغ ہونے تک اولاد کو اپنے پاس رکھے گی تو یہ اس وقت درست ہے جب کہ وہ اولاد لڑکی ہو، اگر لڑکا ہو تو درست نہیں۔

کما فی الهندية: وَلَوْ اُخْتُلِعَتْ عَلَى أَنْ تُمْسِكَ الْوَلَدَ إلَى وَقْتِ الْبُلُوغِ صَحَّ وَهَذَا إذَا كَانَ أُنْثَى أَمَّا فِي الِابْنِ فَلَا يَصِحُّ۔ (هندية: 1/490)

مختلف الفاظِ خلع

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

المختلعة هي التي تختلع من كل الذي لها، والمفتدية أن تفتدي ببعضه وتأخذ

بعضه، والمبارئة هي التي بارأت زوجها من قبل أن يدخل بها فتقول: قد أبرأتك فبارئني، هذا هو قول مالك۔ وروى عيسى بن دينار عن مالك: المبارئة هي التي لا تأخذ شيئا ولا تعطي، والمختلعة هي التي تعطي ما أعطاها وتزيد من مالها، والمفتدية هي التي تفتدي ببعض ما أعطاها وتمسك بعضه، وهذا كله يكون قبل الدخول وبعده، فما كان قبل الدخول فلا عدة فيه، والمصالحة مثل المبارئة۔ (القرطبی:3/87)

'مختلعہ' وہ عورت ہوتی ہے جو اپنی کل شئے کے عوض خلع کرتی ہے، 'مفتدیہ' فدیہ دینے والی وہ ہوتی ہے جو بعض مال بہ طور فدیہ دیتی ہے اور بعض لے لے، 'مبارئۃ' وہ عورت ہوتی ہے جو دخول سے پہلے ہی اپنے خاوند سے جدائی اختیار کرلے، الخ۔

قاضی ابو محمد وغیرہ نے کہا ہے:

هذه الألفاظ الأربعة تعود إلى معنى واحد وإن اختلفت صفاتها من جهة الإيقاع، وهي طلقة بائنة سماها أو لم يسمها، لا رجعة له في العدة، وله نكاحها في العدة. وبعدها برضاها بولي وصداق وقبل زوج وبعده، خلافا لأبي ثور، لأنها إنما أعطته

العوض لتملك نفسها، ولو كان طلاق الخلع رجعيا لن تملك نفسها، فكان يجتمع للزوج العوض والمعوض عنه۔(القرطبی:3/87، وانظر المغنی لابن قدامة:10/275)

یہ چاروں الفاظ ایک ہی معنی کی طرف راجع ہیں، اگرچہ ایقاع کے اعتبار سے ان کی صفات مختلف ہیں اور اس سے طلاقِ بائنہ واقع ہوگی، خواہ اس کا نام لے یا نہ لے۔ شوہر کے لیے اس کی عدت کے دوران رجعت کا حق باقی نہیں رہے گا اور اسے عدت میں اور اس کے بعد ولی کی رضا مندی اور نئے مہر کے ساتھ زوجِ ثانی سے پہلے اور بعد نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

'قاموس الفقہ' میں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک خلع کے لیے پانچ الفاظ ہیں:

(۱) خالعتک: میں نے تم کو خلع دیا۔

(۲) باینتک: میں نے تم سے باہم علاحدگی اختیار کی۔

(۳) بارئتک: میں نے تجھ سے باہم برأت حاصل کی۔

(۴) خرید وفروخت کے الفاظ، مثلاً بیوی کہے میں نے تجھ سے اتنے روپئے کے عوض طلاق خرید کی۔

(۵) یا شوہر کہے؛ میں نے تجھ سے طلاق اتنے روپئے کے عوض فروخت کیا۔

شوافع وحنابلہ کے نزدیک 'خلع' اور 'مبرأۃ' یہ دولفظ صریح ہیں، باقی سب کنایہ، اور جن الفاظ سے کنایہ طلاق مراد لی جاتی ہے ان ہی الفاظ سے خلع بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ حنابلہ کے یہاں خلع اور 'مبرأۃ' کے علاوہ 'فسخِ نکاح' کا لفظ بھی خلع کے لیے صریح ہے۔ مالکیہ کے نزدیک خلع کے لیے چار الفاظ ہیں: خلع، مبرأۃ، صلح، فدیہ۔ مگر ان الفاظ کے نتائج میں قدرے فرق ہے؛ خلع کے الفاظ سے یہ مراد ہے کہ مرد نے عورت کو جو کچھ دیا تھا، سب اس کو واپس مل رہا ہے۔ صلح سے مراد ہے کہ مرد نے جو کچھ دیا ہے، اس کا کچھ حصہ عورت خلع میں واپس کررہی ہے۔ 'مبرأۃ' کے معنی ہیں کہ عورت شوہر کو اپنے تمام حقوق سے بری کررہی ہے۔ تاہم یہ تمام ہی الفاظ خلع کے لیے ہیں۔ (دیکھیے قاموس الفقہ :3/363)

وفی الشامية: ألفاظ الخلع خمسة: خالعتک، باينتک، بارأتک، فارقتک، طلقی نفسل علی ألف، الخ۔ (الرد المتحار الرد المختار: 5/91، دار عالم کتب، الریاض)

وانظر الموسوعة الفقهية للتفصيل: الألفاظ ذات الصّلة: (أ) الصّلح: الصّلح في اللّغة اسم من المصالحة وهي التّوفيق والمسالمة بعد المنازعة، ومعناه في الشّرع عقد يرفع النّزاع، والصّلح من الألفاظ الّتي يؤوّل إليها معنى الخلع الّذي هو بذل المرأة العوض على طلاقها، والخلع يطلق غالباً على حالة بذلها له جميع ما أعطاها، والصّلح على حالة بذلها بعضه۔ (ب) الطّلاق: الطّلاق من ألفاظ الخلع عند الشّافعيّة والحنابلة كما سيأتي، ومعناه في اللّغة اسم بمعنى التّطليق، كالسّلام بمعنى التّسليم وتركيب هذا اللّفظ يدلّ على الحلّ والانحلال، ومنه إطلاق الأسير إذا حلّ إساره وخلّي عنه۔ وأمّا في الشّرع

فمعناه: رفع قيد النّكاح من أهله في محلّه، وأمّا صلته بالخلع، سوى ما ذكر فهي أنّ الفقهاء اختلفوا في الخلع هل هو طلاق بائن، أو رجعيّ، أو فسخ، على أقوال سيأتي تفصيلها۔ والطّلاق على مال هو في أحكامه كالخلع عند الحنفيّة، لأنّ كلّ واحد منهما طلاق بعوض فيعتبر في أحدهما ما يعتبر في الآخر إلاّ أنّهما يختلفان من ثلاثة أوجه: أحدها: يسقط بالخلع في رأي أبي حنيفة كلّ الحقوق الواجبة لأحد الزّوجين على الآخر بسبب الزّواج، كالمهر، والنّفقة الماضية المتجمّدة أثناء الزّواج، لكن لا تسقط نفقة العدّة لأنّها لم تكن واجبة قبل الخلع فلا يتصوّر إسقاطها به، بخلاف الطّلاق على مال فإنّه لا يسقط به شيء من حقوق الزّوجين، ويجب به المال المتّفق عليه فقط۔ الثّاني: إذا بطل العوض في الخلع مثل أن يخالع المسلم على خمر أو خنزير أو ميتة فلا شيء للزّوج، والفرقة بائنة، بخلاف الطّلاق فإنّ العوض إذا بطل فيه وقع رجعيّاً في غير الطّلقة الثّالثة، لأنّ الخلع كناية، أمّا الطّلاق على مال فهو صريح، والبينونة إنّما تثبت بتسمية العوض إذا صحّت التّسمية، فإذا لم تصحّ التحقت بالعدم فبقي صريح الطّلاق فيكون رجعيّاً۔ الثّالث: الطّلاق على مال، طلاق بائن، ينقص به عدد الطّلقات بلا خلاف، وأمّا الخلع فالفقهاء مختلفون في كونه طلاقًا ينقص به عدد الطّلقات، أو فسخاً لا ينقص به عددها كما سيأتي۔ (ج) الفدية: الفدية في اللّغة اسم للمال الّذي يدفع لاستنقاذ الأسير، وجمعها فدىً وفديات، وفاديته مفاداة، وفداءً أطلقته وأخذت فديته. وفدت المرأة نفسها من زوجها تفدي، وافتدت أعطته مالاً حتّى تخلّصت

منه بالطّلاق، والفقهاء لا يخرجون في تعريفهم للفدية عمّا ورد في اللّغة. والفدية والخلع معناهما واحد، وهو بذل المرأة العوض على طلاقها، ولفظ المفاداة من الألفاظ الصّريحة في الخلع عند الشّافعيّة وعند الحنابلة لوروده في القرآن. (د) -الفسخ: الفسخ مصدر فسخ ومن معانيه في اللّغة الإزالة، والرّفع، والنّقض، والتّفريق. وأمّا عند الفقهاء فقد ذكر السّيوطيّ وابن نجيم أنّ حقيقة الفسخ حلّ ارتباط العقد، وذكر الزّركشيّ أنّ الفسخ قلب كلّ واحد من العوضين إلى صاحبه، والانفساخ انقلاب كلّ واحد من العوضين إلى دافعه، وصلة الفسخ بالخلع هي أنّ الخلع فسخ على قول. والفسخ من الألفاظ الصّريحة في الخلع عند الحنابلة. (ه) — المبارأة: المبارأة صيغة مفاعلة تقتضي المشاركة في البراءة، وهي في الاصطلاح اسم من أسماء الخلع والمعنى واحد وهو بذل المرأة العوض على طلاقها لكنّها تختصّ بإسقاط المرأة عن الزّوج حقّاً لها عليه.

وهي عند أبي حنيفة كالخلع كلاهما يسقطان كلّ حقّ لكلّ واحد من الزّوجين على الآخر ممّا يتعلّق بالنّكاح كالمهر والنّفقة الماضية دون المستقبلة، لأنّ الخلع ينبئ عن الفصل، ومنه خلع النّعل وخلع العمل وهو مطلق كالمبارأة فيعمل بإطلاقهما في النّكاح وأحكامه وحقوقه. وقال محمّد: لا يسقط بهما إلاّ ما سمّياه لأنّ هذه معاوضة، وفي المعاوضات يعتبر المشروط لا غيره، وأمّا أبو يوسف فقد وافق محمّداً في الخلع وخالفه في المبارأة، وخالف أبا حنيفة في الخلع، ووافقه في المبارأة، لأنّ المبارأة مفاعلة من البراءة فتقتضيها من

الجانبين، وأنّه مطلق قيّدناه بحقوق النّكاح لدلالة الغرض، أمّا الخلع فمقتضاه الانخلاع، وقد حصل في نقض النّكاح ولا ضرورة إلى انقطاع الأحكام۔
(الموسوعة الفقهية الكوتية: 19/235-237)

شرطِ فاسد کے ساتھ خلع

خلع میں شرطِ فاسد لگانے سے خلع واقع اور شرط بے کار ہو جاتی ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

أنه شرط في العقد ما يمنع المقصود منه فلم يثبت ذلك، كما لو شرط في عقد النكاح: أني لا أطأها۔
(القرطبی: 3/88)
اگر عقدِ خلع میں ایسی شرط قایم کی جو مقصود کو مانع ہے تو وہ ثابت نہیں ہوگی، جیسے اگر کوئی عقدِ نکاح میں شرط رکھے کہ میں اس سے وطی نہیں کروں گا۔

و فی الهداية: إن بطل العوض فی الخلع مثل أن يخالع المسلم على خمر، أو خنزير، أو ميتة، فلا شيئ للزوج، والفرقة بائنة۔ (الهداية: 3/283)

و فی المغنی: فإن شرط في الخلع أن له الرجعة، فقال ابن حامد يبطل الشرط ويصح الخلع وهو قول أبي حنيفة وإحدى الروايتين عن مالك لأن الخلع لا يفسد بكون عوضه فاسدا فلا يفسد بالشرط الفاسد، كالنكاح۔ (المغنی: 10/279)

صغیرہ بیوی کا خلع

عقل مند صغیرہ بیوی اگر اپنے عاقل بالغ شوہر سے خلع قبول کر لے تو یہ درست ہے اور طلاق واقع ہو جائے گی لیکن مہر ساقط ہو گا نہ مال کی ادائیگی لازم ہوگی۔

قال السرخسی: إذا اختلعت الصبیة من زوجها الکبیرة فالطلاق واقع علیها، لأن الزوج من أهل الإیقاع۔ (المبسوط: 6/178) **وقال ابن همام: إن الصغیرة العاقلة إذا قبلت الخلع من زوجها صح الخلع ووقع الطلاق، ولا یسقط المهر، ولا یلزم المال۔** (فتح القدیر: 4/80) **وفی الدر: خلع الأب صغیرة بمالها ؤ مهرها طلقت فی الأصح۔** (الدر المختار مع الرد المحتار: 5/116)

لیکن اگر والد نے اس کی ضمانت لے لی تو اس پر خلع کا متعینہ عوض لازم ہو جائے گا نیز اسے یہ اختیار نہیں ہوگا کہ خلع کے بدل کے طور پر اپنی بیٹی کا مہر شوہر سے معاف کر دے۔

'ہدایہ' میں ہے:

إن خالعها علی ألف علی أنه ضامن، فالخلع واقع والألف علی الأب۔۔۔ ولا یسقط مهرها لأنه لم یدخل تحت ولایة الأب۔ (هدایة: 3/292)

والدر المختار:

فالأب الأولی (بلا سقوط مهر) لأنه لم یدخل تحت ولایة الأب۔ وفی الرد المحتار: (بلا سقوب مهر) أی سواء کان الخلع علی المهر أو علی ألف مثلاً، لکن إذا کان علی المهر فلها أن ترجع به علی الزوج الخ۔ (شامی: 5/112)

یعنی اگر ایک ہزار کے بدلے خلع کیا کہ باپ اس کا ضامن ہوگا تو یہ خلع درست

ہے اور ایک ہزار باپ کے ذمّے لازم ہوں گے۔۔۔اور باپ اپنی بیٹی کا مہر ساقط نہیں کرے گا، اس لیے کہ یہ حق اس کی ولایت کے تحت نہیں آتا۔

بدلِ خلع ادا کرنے میں والد اور والدہ کا حکم یکساں ہے، البتہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اس میں یہ تفصیل پیش کی ہے:

و لو جرى الخلع بين زوج الصغيرة و أمها، فإن أضافت الأم البدل إلى مال نفسها أو ضمنت تم الخلع۔۔۔ و إن لم تضف و لم تضمن لا رواية فيه، و الصحيح أنه لا يقع الطلاق۔ (الشامية:5/112، البحر الرائق:4/153)

اگر معاملۂ خلع صغیرہ بیوی اور اس کی ماں کے درمیان ہو اور ماں بدلِ خلع کی ادائیگی اپنے مال سے ادا کرنے کا اقرار کرے یا ضمانت لے لے تو خلع مکمل ہو گیا۔۔۔اگر وہ ضمانت نہ لے تو اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں ملتی اور درست بات یہ ہے کہ اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

و انظر في الموسوعة: و أمّا خلع الأب ابنته الصّغيرة فقد ذهب الحنفيّة و الشّافعيّة و الحنابلة على المذهب إلى أنّ من خلع ابنته و هي صغيرة بشيء من مالها لم يجز عليها، لأنّه لا نظر لها فيه، كما ذكر الحنفيّة، إذ البضع غير متقوّم،

والبدل متقوّم، بخلاف النّكاح، لأنّ البضع متقوّم عند الدّخول، ولهذا يعتبر خلع المريضة من الثلث، ونكاح المريض بمهر المثل من جميع المال۔ ولأنّه بذلك يسقط حقّها من المهر والنّفقة والاستمتاع، وإذا لم يجز لا يسقط المهر ولا يستحقّ مالها وللزّوج مراجعتها إن كان ذلك بعد الدّخول كما في المهذّب، وذكر الحنفيّة في وقوع الطّلاق أو عدم وقوعه روايتين منشؤهما قول محمّد بن الحسن في الكتاب لم يجز، فإنّه يحتمل أن ينصرف إلى الطّلاق وأن ينصرف إلى لزوم المال، والصّحيح أنّ الطّلاق واقع، وعدم الجواز منصرف إلى المال، نصّ عليه في المنتقى لأنّ لسان الأب كلسانها۔ (الموسوعة الفقهية الكوتية: 19/249)

صبی شوہر کی طرف سے خلع

اگر شوہر نابالغ ہو اور اس سے خلع کا مطالبہ کیا جائے تو اس کی طرف سے دیا ہوا خلع یا طلاق معتبر نہیں، باطل ہے۔

قال السرخسی: خلع الصبی وطلاقه باطل، لأنه ليس له قصد معتبر شرعاً۔ (المبسوط: 6/178، هندية: 1/504)

لیکن اگر بالغ شوہر کسی نابالغ بچّے کو اپنی بیوی کے خلع کا وکیل بنادے تو یہ جائز ہے، جیسا کہ امام محمد نے ذکر کیا ہے:

أن توكيل الصبی والمعتوه عن البالغ والعاقل بالخلع، صحيح۔ (البحر الرائق: 4/157) وفی المبسوط: إذا وكل أحد الزوجين صبياً أو معتوهاً أو مملوكاً بالقيام مقامه

بالخلع و الإختلاع جاز۔(6/179)

لفظ ’معتوہ‘ کے بارے میں علامہ ابن ہمامؒ نے بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں، جو ناقص العقل و کم سمجھ ہو اور پریشان کلام ہو (یعنی بے عقلی اور ناسمجھی کی باتیں کرتا ہو) اور فاسد التدبیر (یعنی بے عقلی اور بے سمجھی کے کام کرتا ہو) لیکن نہ تو مارتا پھرتا ہو اور نہ گالیاں بکتا پھرتا ہو بہ خلاف مجنوں کے (کہ لوگوں کو مارتا اور گالیاں بکتا پھرتا ہے)۔
(مظاہرِ حق جدید:157-4/156، ادارہ اسلامیات، دیوبند)

فی فتح القدیر: و شرطه فی الزوج أن یکون عاقلا بالغا مستیقظا، و فی الزوجة أن تکون منکوحته أو فی عدته التی تصلح معها محلا للطلاق۔(فتح القدیر:3/463 دار الفکر بیروت)

و فی الموسوعة: و لا یجوز للأب أن یخلع زوجة ابنه الصّغیر أو یطلّق علیه بعوض أو بغیر عوض عند الحنفیّة و الشّافعیّة و علی الرّوایة الأشهر عند الحنابلة لقوله صلی الله علیه و سلم: الطّلاق لمن أخذ بالسّاق۔(الموسوعة الفقهیة الکویتیة:19/249)

خلع کے جواب میں طلاق کی نیت

عورت نے شوہر سے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو تجھ سے خلع کر دیا اور شوہر نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی، تو بعض نے کہا کہ یہ جواب ہوگا اور خلع پورا ہو جائے گا اور بعض نے کہا کہ ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی اور بعض نے کہا شوہر کی نیت دریافت کی جائے گی، اگر اس نے کہا کہ میں نے جواب کی نیت کی تھی تو جواب ہوگا ورنہ طلاقِ رجعی۔

فی الهندیة: وَكَذَا لَوْ قَالَتِ الْمَرْأَةُ لِزَوْجِهَا: اخْتَلَعْتُ مِنْكَ فَقَالَ لَهَا: طَلَّقْتُكِ قَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ جَوَابٌ وَيَتِمُّ الْخُلْعُ بَيْنَهُمَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ: تَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُسْأَلُ الزَّوْجُ عَنِ النِّيَّةِ فَإِنْ قَالَ: نَوَيْتُ بِهِ الْجَوَابَ يَكُونُ جَوَابًا۔ (هندية:1/522)

خلع میں طلاقِ ثلاثہ کی نیت

خلع دیتے وقت اگر کسی نے طلاقِ ثلاثہ کی نیت کرلی تو یہ تین طلاق واقع ہوجائیں گی۔

کما فی الهندیة: تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ فِيهِ۔ (هندية:1/519)

و فی الموسوعة: أنّ الحنفيّة ذكروا أنّ الزّوج إن نوى بالخلع ثلاث تطليقات فهي ثلاث، لأنّه بمنزلة ألفاظ الكناية، وإن نوى اثنتين فهي واحدة بائنة عند غير زفر، وعنده ثنتان، كما في لفظ الحرمة والبينونة وبه قال مالك، الخ۔ (الموسوعة الفقهيه الكوتية: 19/237)

خلع کے بجائے طلاقِ ثلاثہ

اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو تین طلاق اپنے مہر ونفقۂ عدت کے عوض خرید لے اور عورت نے کہا کہ میں نے خرید لی، تو دونوں میں خلع پورا ہوجائے گا۔

فی الهندیة: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ: ابْتَعْتِ مِنِّي أَوْ قَالَ: اشْتَرَيْتِ مِنِّي ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ بِمَهْرِكِ وَنَفَقَةِ عِدَّتِكِ فَقَالَتْ: اشْتَرَيْتُ الصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ مَا لَمْ يَقُلِ الزَّوْجُ بَعْدَ كَلَامِهَا: بِعْتُ كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ۔ (هندية:1/522)

طلاقِ ثلاثہ کے بجائے خلع

شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ ایک تطلیقہ بہ عوض تین ہزار درہم کے فروخت کی، اس کو اس نے تین بار کہا اور عورت نے ہر کلام کے بعد کہا کہ میں نے خریدی، پھر شوہر نے دعویٰ کیا میں نے پہلی بار خبر دینے کے بعد دوسری تیسری مرتبہ تکرار کی تھی تو قضاءً اس کے قول کی تصدیق نہ ہوگی اور یہ تین طلاق واقع ہو جائیں گی، مگر عورت پر تین ہزار درہم لازم ہوں گے۔

فی الهندية: رَجُلٌ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: بِعْت مِنْك تَطْلِيقَةً بِثَلَاثَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ قَالَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَقَالَتْ الْمَرْأَةُ بَعْدَ كُلِّ كَلَامٍ اشْتَرَيْت ثُمَّ قَالَ الزَّوْجُ أَرَدْت التَّكْرَارَ وَالْإِخْبَارَ عَنْ الْأُولَى بِالثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ لَا يُصَدَّقُ قَضَاءً فَيَقَعُ ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ وَيَلْزَمُهَا ثَلَاثَةُ آلَافٍ كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ، وَهَكَذَا فِي الْخُلَاصَةِ، وَالْوَجِيزِ لِلْكَرْدَرِيِّ وَبِهِ أَخَذَ الْفَقِيهُ كَذَا فِي الْعَتَّابِيَّةِ۔ (هندية: 1/523)

ارادے و وعدے سے خلع

صرف ارادہ ظاہر کرنے سے خلع واقع نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: 10/126)

اسی طرح فقط وعدہ کرنے سے بھی خلع واقع نہیں ہوگا۔ ایک سوال و جواب ملاحظہ ہو:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا؛ اگر ایک ہزار روپئے بہ طور خلع مجھے ادا کر دے تو میں تجھ کو طلاق دینے کے لیے تیار ہوں، پھر خاوند نے بیوی سے رقم وصول نہیں کی۔ کیا اس صورت میں خلع ہو گیا یا نہیں؟

جواب: خلع متحقق نہیں، نکاح بہ دستور باقی ہے، محض رقم طے کرنے سے خلع نہیں ہوتا ہے، البتہ خلع کرنے کے لیے جو رقم طے ہوئی اس رقم کو وصول کرنا، یہ خلع پر رضامندی کی دلیل ہے اوراس صورت میں اگر زبانی طلاق نہ بھی دی گئی ہو تب بھی طے شدہ رقم وصول پانے کے بعد عورت مطلقہ بائنہ ہو جائے گی۔(ماخوذ از فتاویٰ مفتی محمود:7/303-310)

والدین کے مطالبے پر خلع

جس طرح طلاق محض کسی کے یا والدین کے کہنے سے دینا جائز نہیں، اسی طرح خلع بھی محض کسی کے کہنے سننے سے لینا جائز نہیں ہے، واقعی نباہ نہ ہوسکتا ہو تو مضائقہ نہیں۔امداد الاحکام میں ہے:

> محض والدین کے کہنے سے عورت کو خلع لینا جائز نہیں بلکہ اس وقت جائز ہے، جب کہ عورت یہ جان لے کہ مجھے اس شوہر کے ساتھ موافقیت اور نباہ نہیں ہوسکتا۔(امداد الاحکام:2/676)

خلع میں وکالت

نکاح وطلاق کی طرح خلع میں بھی وکیل بنانا درست ہے، جس میں وکالت کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں؛

(۱) خلع پر شوہر کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے وکیل بنانا۔

(۲) بدلِ خلع کو متعین کرنے کے لیے وکیل بنانا۔

(۳) بدلِ خلع کو سپرد کرنے کے لیے وکیل بنانا۔

ان تمام صورتوں میں عورت کسی کو وکالت سپرد کرسکتی ہے اور ان تمام کاموں میں وکیل کا تصرف درست مانا جائے گا، جمہور علما کی یہی رائے ہے۔

امْرَأَةٌ وَكَّلَتْ رَجُلًا بِأَنْ يَخْلَعَهَا مِنْ زَوْجِهَا الخ۔ (هنديه: 1/501)

وفی الموسوعة: التّوكيل في الخلع: لا خلاف بين الفقهاء في أنّ التّوكيل في الخلع جائز من كلّ واحد من الزّوجين ومن أحدهما منفرداً، والضّابط فيه أنّ كلّ من يصحّ أن يتصرّف بالخلع لنفسه جاز توكيله ووكالته ذكراً أو أنثى، مسلماً أو كافراً، محجوراً عليه أو رشيداً، لأنّ كلّ واحد منهم يجوز أن يوجب الخلع، فصحّ أن يكون وكيلاً وموكّلاً فيه۔ وجاء في البحر الرّائق عن محمّد بن الحسن أنّ توكيل الصّبيّ والمعتوه عن البالغ العاقل بالخلع صحيح، وذكر الشّافعيّة أنّ وكيل المرأة لا يجوز أن يكون سفيهاً حتّى وإن أذن له الوليّ إلاّ إذا أضاف المال إليها فتبين ويلزمها، لأنّه لا ضرر عليه في ذلك۔۔۔ والوكيل في الخلع لا ينعزل بمضيّ المدّة عند الحنفيّة۔ هذا ويكون توكيل المرأة في ثلاثة أشياء: استدعاء الخلع أو الطّلاق، وتقدير العوض وتسليمه۔ ويكون توكيل الرّجل أيضًا في ثلاثة أشياء: شرط العوض، وقبضه، وإيقاع الطّلاق أو الخلع۔ (الموسوعة الفقهية الكوتية: 252-19/251)

ایک جدید مسئلہ

ایک عورت نے کسی کو خلع کے لیے وکیل بنایا، پھر شوہر سے رجوع کرنے کی غرض سے وکیل کے موبائل فون پر رنگ (ring) کی، وکیل نے اس کی کال (call) کو رسیو

(recieve) نہیں کیا، تو اس صورت میں عورت کا رجوع کرنا صحیح نہ ہوگا، جب تک کہ وکیل کو علم نہ ہو۔ ہاں اگر عورت نے وکیل کو ایس ایم ایس کے ذریعے اپنے رجوع کرنے کی خبر دے دی اور اس نے ایس ایم ایس پڑھ لیا، یا اس نے اس کے موبائل فون پر وائس میل (voice mail) چھوڑا یا وائس میسج (voice message) بھیجا، جسے اس نے سن لیا، تو اس صورت میں عورت کا رجوع کرنا صحیح ہو جائے گا۔ (موبائل فون کے ذریعے نکاح وطلاق: 305 بترمیم)

ولی کی طرف سے خلع

جس طرح نکاح میں ولی کو حق ہے کہ اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح کر دے، اسی طرح اس کے ولی کو اس کی طرف سے خلع کروانے کا حق بھی حاصل ہے، لیکن اس صورت میں اس لڑکی کا مہر ساقط نہیں ہوگا اور مال کا کوئی حصہ اس پر لازم ہوگا نہ ولی پر، ہاں طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔ ہدایہ میں ہے:

> جس نے اپنی چھوٹی لڑکی کا اس کے مال کے بدلے خلع کروایا، اس پر مال لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں لڑکی پر کوئی شفقت نہیں ہے، چوں کہ خلع کے ذریعے نکاح سے نکلنے کی صورت میں بضع غیر متقوم ہے، جب کہ اس کا بدل متقوم ہے۔۔۔ اس وجہ سے عورت کا مہر ساقط اور شوہر اس کے مال کا حق دار نہیں ہوگا۔۔۔ لیکن صحیح قول طلاق واقع ہونے کا ہے۔ (ہدایہ مع الفتح: 4/78)

خلعِ فضولی

اجنبی اپنے مال سے خلع کرے یا خود ضامن بنے اسے 'خلعِ فضولی' کہتے ہیں اور یہ صحیح ہوجاتا ہے اور مال اس پر لازم ہوجاتا ہے، اگر عورت کے مال پر خلع کیا یا کسی کا بھی مال متعین نہ کیا اور خود ضامن بھی نہ ہوا تو یہ خلع بیوی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر اس نے اجازت نہ دی تو مال واجب نہ ہوگا، طلاق ہوجائے گی۔ خلع میں بائن اور طلاق علی مال میں رجعی ہوگی۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ: 5/375، وانظر الشامیة: 5/114)

انظر فی الموسوعة:

خلع الفضوليّ: للفقهاء في خلع الفضوليّ اتّجاهان: الأوّل: جوازه وصحّته وهو قول الحنفيّة لكن بقيد وهو أن يضيف البدل إلى نفسه على وجه يفيد ضمانه له أو ملكه إيّاه، مثل أن يقول: اخلعها بألف عليّ أو على أنّي ضامن أو على ألفي هذه، فإن أرسل الخلع بأن قال على ألف أو على هذا الجمل، فإن قبلت لزمها تسليمه، أو قيمته إن عجزت، وإن أضافه إلى غيره كجمل فلان اعتبر قبول فلان...الثّاني: عدم الصّحّة وقد ذهب إلى ذلك أبو ثور ومن قال من الشّافعيّة والحنابلة إنّ الخلع فسخ، واستدلّ أبو ثور بأنّه يبذل عوضاً في مقابلة ما

لا منفعة له فيه۔ وا ستدلّوا بأنّ الفسخ بلا سبب لا ينفرد به الزّوج فلا يصحّ طلبه منه۔ (الموسوعة الفقهية الكوتية: 251-19/250)

اتحادِ مجلس کی شرط

سننِ نسائی میں ایک طویل روایت آیتِ خلع کے ساتھ 'کتاب المزارعۃ' میں درجِ ذیل الفاظ کے ساتھ مرقوم ہے، جس سے اتحادِ مجلس کے لزوم کا پتا چلتا ہے۔

یہ وہ تحریر (معاہدہ) ہے جس کو فلاں بن فلاں کی فلاں بیٹی فلانہ نے اپنی صحت کی حالت میں اور تصرف نافذ ہونے کی صورت میں فلاں بن فلاں کے فلاں بیٹے کے لیے لکھا ہے؛ میں آپ کی بیوی تھی، آپ مجھ سے ملے اور صحبت کی اور دخول کیا، پھر مجھے آپ کی صحبت بری معلوم ہوئی اور میں نے آپ سے جدا ہونا اچھا جانا، آپ نے مجھے کسی طرح کا نہ تو نقصان پہنچایا اور نہ ہی میرے واجب الادا حقوق سے مجھے روکا اور میں نے آپ سے اس وقت درخواست کی جب مجھے اندیشہ ہوا کہ ہم اللہ کے حدود کو ٹھیک سے قائم نہیں رکھ سکیں گے کہ مجھ سے خلع کر لیں اور مجھے ایک طلاق بائن دے دیں، اس پورے مہر کے بدلے جو میرا آپ کے ذمے ہے اور وہ اتنے اتنے

کھرے دینار جو اتنے مثقال کے ہیں اور مہر کے علاوہ اتنے مثقال کے اتنے کھرے دینار کے بدلے۔ پھر آپ نے میرا مطالبہ پورا کر دیا اور ایک طلاقِ بائن دے دی، اس پورے مہر کے بدلے جو میرا آپ پر باقی تھا اور جس کی مقدار اس تحریر میں لکھی ہوئی ہے اور اس کے علاوہ ان دیناروں کے بدلے جن کی تعداد اس میں درج ہے، پھر میں نے آپ کے سامنے اسے اس وقت قبول کیا، جب آپ میری طرف مخاطب تھے اور میں آپ کی بات کا جواب دیتی تھی اس سے پہلے کہ ہم اپنی اس بات چیت سے فارغ ہوں اور میں نے آپ کو وہ سب دینار دے دیے، جن کی تعداد اس تحریر میں درج ہے اور جن کے بدلے آپ نے خلع کیا، مہر کے علاوہ۔

اب میں آپ سے جدا اور اپنی مرضی کی مالک ہوگئی، اس خلع کی وجہ سے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اب آپ کا مجھ پر کچھ اختیار نہیں رہا، نہ ہی کسی طرح کا مطالبہ اور رجوع کا حق، اور میں نے آپ سے اپنے وہ سارے حقوق لے لیے جو مجھ جیسی عورت کے آپ جیسے شوہر پر ہوتے ہیں، جب تک کہ میں آپ کی زوجیت میں رہی، اور مجھے وہ سارے

حقوق مل گئے جو مجھ جیسی طلاق والی کسی عورت کے ہوتے ہیں اور آپ جیسے شوہر کو ان کو دینا ضروری ہوتا ہے۔ اب ہم میں سے کوئی دوسرے پر کسی طرح کا حق یا دعویٰ یا مطالبہ خواہ کسی طور کا ہو، پیش کرے تو اس کے سب دعوے جھوٹے ہیں اور جس پر دعویٰ کیا جارہا ہے وہ پوری طور سے بری ہے۔

ہم میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کا اقرار اور اس کا ابرا (یعنی بری کرنا) قبول کیا، جس کا ذکر اس کتاب میں آمنے سامنے سوال کے وقت ہوا، اس سے پہلے کہ ہم اس گفتگو سے فارغ ہوں یا اس مجلس سے اٹھ کھڑے ہوں جہاں یہ اقرار نامہ میاں بیوی کی طرف سے ہم دونوں کے مابین لکھا جارہا ہے۔

قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ۔ (البقرة:229)، هَذَا كِتَابٌ كَتَبَتْهُ فُلَانَةُ بِنْتُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ فِي صِحَّةٍ مِنْهَا وَجَوَازِ أَمْرٍ لِفُلَانِ بْنِ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ إِنِّي كُنْتُ زَوْجَةً

لَكَ وَكُنْتَ دَخَلْتَ بِي فَأَفْضَيْتَ إِلَيَّ ثُمَّ إِنِّي كَرِهْتُ صُحْبَتَكَ وَأَحْبَبْتُ مُفَارَقَتَكَ عَنْ غَيْرِ إِضْرَارٍ مِنْكَ بِي وَلاَ مَنْعِي لِحَقٍّ وَاجِبٍ لِي عَلَيْكَ وَإِنِّي سَأَلْتُكَ عِنْدَمَا خِفْنَا أَنْ لاَ نُقِيمَ حُدُودَ اللهِ أَنْ تَخْلَعَنِي فَتُبِينَنِي مِنْكَ بِتَطْلِيقَةٍ بِجَمِيعِ مَالِي عَلَيْكَ مِنْ صَدَاقٍ وَهُوَ كَذَا وَكَذَا دِينَارًا جِيَادًا مَثَاقِيلَ وَبِكَذَا وَكَذَا دِينَارًا جِيَادًا مَثَاقِيلَ أَعْطَيْتُكَهَا عَلَى ذَلِكَ سِوَى مَا فِي صَدَاقِي فَفَعَلْتَ الَّذِي سَأَلْتُكَ مِنْهُ فَطَلَّقْتَنِي تَطْلِيقَةً بَائِنَةً بِجَمِيعِ مَا كَانَ بَقِيَ لِي عَلَيْكَ مِنْ صَدَاقِي الْمُسَمَّى مَبْلَغُهُ فِي هَذَا الْكِتَابِ وَبِالدَّنَانِيرِ الْمُسَمَّاةِ فِيهِ سِوَى ذَلِكَ فَقَبِلْتُ ذَلِكَ مِنْكَ مُشَافَهَةً لَكَ عِنْدَ مُخَاطَبَتِكَ إِيَّايَ بِهِ وَمُجَاوَبَةً عَلَى قَوْلِكَ مِنْ قَبْلِ تَصَادُرِنَا عَنْ مَنْطِقِنَا ذَلِكَ وَدَفَعْتُ إِلَيْكَ جَمِيعَ هَذِهِ الدَّنَانِيرِ الْمُسَمَّى مَبْلَغُهَا فِي هَذَا الْكِتَابِ الَّذِي خَالَعْتَنِي عَلَيْهَا وَافِيَةً سِوَى مَا فِي صَدَاقِي فَصِرْتُ بَائِنَةً مِنْكَ مَالِكَةً لِأَمْرِي بِهَذَا الْخُلْعِ الْمَوْصُوفِ أَمْرُهُ فِي هَذَا الْكِتَابِ فَلاَ سَبِيلَ لَكَ عَلَيَّ وَلاَ مُطَالَبَةَ وَلاَ رَجْعَةَ وَقَدْ قَبَضْتُ مِنْكَ جَمِيعَ مَا يَجِبُ لِمِثْلِي مَا

دُمْتُ فِي عِدَّةٍ مِنْكَ وَجَمِيعَ مَا أَحْتَاجُ إِلَيْهِ بِتَمَامِ مَا يَجِبُ لِلْمُطَلَّقَةِ الَّتِي تَكُونُ فِي مِثْلِ حَالِي عَلَى زَوْجِهَا الَّذِي يَكُونُ فِي مِثْلِ حَالِكَ فَلَمْ يَبْقَ لِوَاحِدٍ مِنَّا قِبَلَ صَاحِبِهِ حَقٌّ وَلَا دَعْوَى وَلَا طَلِبَةٌ فَكُلُّ مَا ادَّعَى وَاحِدٌ مِنَّا قِبَلَ صَاحِبِهِ مِنْ حَقٍّ وَمِنْ دَعْوَى وَمِنْ طَلِبَةٍ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ فَهُوَ فِي جَمِيعِ دَعْوَاهُ مُبْطِلٌ وَصَاحِبُهُ مِنْ ذَلِكَ أَجْمَعَ بَرِيءٌ وَقَدْ قَبِلَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَّا كُلَّ مَا أَقَرَّ لَهُ بِهِ صَاحِبُهُ وَكُلَّ مَا أَبْرَأَهُ مِنْهُ مِمَّا وُصِفَ فِي هَذَا الْكِتَابِ مُشَافَهَةً عِنْدَ مُخَاطَبَتِهِ إِيَّاهُ قَبْلَ تَصَادُرِنَا عَنْ مَنْطِقِنَا وَافْتِرَاقِنَا عَنْ مَجْلِسِنَا الَّذِي جَرَى بَيْنَنَا فِيهِ أَقَرَّتْ فُلَانَةُ وَفُلَانٌ۔ (سنن النسائی:3938)

و فی الشامیة: (إن طلقها فی مجلسه) فلو قام فطلقها لم یجب شیئ، نهر۔ ووجهه أنه معاوضة من جانبه، فیشرط فی قبوله فی المجلس کما فی قبول البیع۔ (الرد المحتار مع الدر المختار: 5/99)

ائمہ اربعہ اور اتحادِ مجلس

اسی لیے ائمہ اربعہ کے مذاہب کے مطابق اگر شوہر نے اپنی بیوی سے خلع کیا تو بیوی کے لیے اس کو قبول کرنے کا اختیار اسی مجلس تک محدود رہے گا، مگر یہ کہ حنفیہ کے نزدیک

اگر زوجین نے اس میں خیار کی شرط نہ لگائی ہو اور بیوی کی طرف سے ایجاب نہ ہو تو بیوی کی مجلس کا اعتبار ہوگا اور شوہر کا رجوع کرنا صحیح نہ ہوگا، اگر شہ بیوی کے قبول کرنے سے پہلے ہو، اور اگر ضلع کا مطالبہ کرنے میں بیوی نے پہل کی ہو تو جب تک شوہر قبول نہ کرے، اسے رجوع کرنا درست ہے، اور دیگر فقہا کے نزدیک دونوں خلع کرنے والوں کی مجلس کا یکساں اعتبار ہوگا۔ اگر خلع کا ایجاب بیوی نے کیا ہو تو حنفیہ کا بھی یہی قول ہے، اسی طرح اگر زوجین کی طرف سے اس میں خیار کی شرط ہو تو دونوں کی مجلس کا اعتبار ہوگا، اور ایجاب وقبول میں تعجیل اور تاخیر کا حکم فقہا کے نزدیک بیع کی طرح ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ اسے کسی شرط سے معلق نہ کیا گیا ہو اور تعلیق کے باب میں مجلس میں قبول کرنا شرط نہیں ہے۔ مالکیہ میں سے ابن عبدالسلام کو اس رائے سے اختلاف ہے۔ اسی طرح اگر خلع میں بیوی پہل کرنے والی ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک معاوضے پر نظر کرتے ہوئے، مجلس میں قبول کرنا شرط نہیں۔

تعلیق کے باب میں قبول اس وقت معتبر ہوگا، جب کہ وہ شرط معلق پائی جائے، جس پر تعلیق کی گئی ہے، اور خلع میں حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک خلع پیش کش کے علم کی مجلس ایجاب وقبول کی مجلس کی طرح ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے کلام سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے، انھوں نے اس کی صراحت تو نہیں کی ہے، تاہم یہ ذکر کیا ہے کہ خلع کا صیغہ بیع کے صیغے کی طرح ہے اور بیوی کے غائب ہونے کی صورت میں خلع کے سلسلے میں انھوں نے اپنے کلام میں کوئی ایسی نئی بات ذکر نہیں کی ہے، جو بیوی کی موجودگی کی صورت کے مخالف ہو، اسی طرح انھوں نے وکیل کو بھی کسی الگ رائے کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے۔

المذاهب الأربعة على أنّ الزّوج لو خالع امرأته فإنّ القبول يقتصر على المجلس، غير أنّ العبرة عند الحنفيّة بمجلس الزّوجة إن لم يشترط الخيار فيه، و ما لم تبدأ الزّوجة به، و لا يصحّ رجوع الزّوج و لو قبل قبولها، و يصحّ رجوعها ما لم يقبل إن كانت هي البادئة. و العبرة عند بقيّة الفقهاء بمجلس المتخالعين معاً، و هو قول الحنفيّة إن كانت الزّوجة هي الموجبة، و كذلك إن اشترط الخيار فيه، و الفور و التّراخي في الإيجاب و القبول كالبيع عندهم. و هذا كلّه عند عدم التّعليق. و لا يشترط القبول في المجلس في صيغة التّعليق إلاّ عند ابن عبد السّلام من المالكيّة، و كذلك إن كانت الزّوجة هي البادئة عند الشّافعيّة و الحنابلة نظراً للمعاوضة. و إنّما يكون القبول في صيغة التّعليق عند حصول ما علّق عليه. و مجلس العلم كمجلس التّواجب في الخلع عند الحنفيّة و الشّافعيّة، و هو ما يفهم من المالكيّة و الحنابلة، فلم يصرّحوا بذلك، لكنّهم ذكروا أنّ صيغة الخلع كصيغة البيع، و في كلامهم عن الخلع مع غيبة الزّوجة لم يأتوا بجديد يخالف حضور الزّوجة، و لم يخصّوا الوكيل بجديد كذلك. (الموسوعة الفقهية الكوتيه:1/20)

اتحادِ مجلس سے متعلق مسائل

اگر میاں بیوی میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کو جائز ہے کہ کچھ مال دے کر یا اپنا مہر دے کر اپنے مرد سے کہے کہ اتنا روپیہ لے کر میری جان چھوڑ دے، یا یوں کہے کہ جو میرا مہر تیرے ذمّے ہے اس کے عوض میں میری جان چھوڑ دے۔

اس کے جواب میں مرد کہے کہ میں نے چھوڑ دی، تو اس سے عورت پر ایک طلاقِ بائن پڑ گئی۔ اب بیوی کو روکے رکھنے کا اختیار مرد کو نہیں ہے، البتہ اگر مرد نے اسی جگہ بیٹھے بیٹھے جواب نہیں دیا بلکہ اٹھ کھڑا ہوا یا مرد تو نہیں اٹھا عورت اٹھ کھڑی ہوئی تب مرد نے کہا: اچھا میں نے چھوڑ دی تو اس سے کچھ نہیں ہوا، جواب سوال دونوں ایک ہی جگہ ہونے چاہئیں۔ (بہشتی زیور:180-179، توصیف پبلکیشنز، لاہور، بتغیر یسیر)

نیز مرد نے کہا: میں نے تجھ سے خلع کیا، عورت نے کہا: میں نے قبول کیا تو خلع ہو گیا، البتہ اگر عورت نے اسی جگہ جواب نہ دیا ہو وہاں سے کھڑی ہو گئی ہو یا عورت نے قبول ہی نہیں کیا تو کچھ نہیں ہوا لیکن عورت اگر اپنی جگہ بیٹھی رہی اور مرد یہ کہہ کر کھڑا ہوا اور عورت نے اس کے اٹھنے کے بعد قبول کیا تب بھی خلع ہو گیا۔ (بہشتی زیور:180)

اتحادِ مجلس میں تفصیل

خلع جانبِ زوج میں نذر یعنی طلاقِ معلق ہے، اس لیے اگر ایجاب جانبِ زوج سے ہے تو وہ قبولِ زوجہ سے قبل بھی رجوع نہیں کر سکتا اور زوج کی مجلس بدلنے سے خلع باطل نہ ہوگا، اور جانبِ زوجہ میں خلع بیع وشراء وغیرہ کی طرح معاوضہ ہے، اس لیے اس کی طرف سے قبول میں یہ شرط ہے کہ بہ وقتِ ایجاب حاضر تھی تو اپنی اسی مجلس میں قبول کرے اور غایب تھی تو مجلسِ علم کے اندر قبول کرے اور اس کی مجلس بدلنے سے خلع باطل ہو جائے گا، البتہ اگر زوج نے قبولِ زوجہ کے لیے کوئی مدت متعین کر دی تو اس مدت کے اندر اس کو قبول کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر ایجاب زوجہ کی طرف سے ہو تو وہ قبولِ زوج سے قبل رجوع کر سکتی ہے اور قبولِ زوج سے قبل زوجین میں سے کسی ایک کی مجلس بدل گئی تو خلع باطل ہو گیا اور

زوج کو قبول کا حق نہ رہا۔

قال فی شرح التنویر: هو یمین فی جانبه لأنه تعلیق الطلاق بقبول المال فلا یصح رجوعه قبل قبولها ولا یصح شرط الخیار له ولا یقصر علی المجلس أی مجلسه ویقصر قبولها علی مجلس علمها وفی جانبها معاوضة بمال، فصح رجوعها قبل قبول وصح شرط الخیار لها، ولو أکثر من ثلاثة أیام بحر ویقتصر علی المجلس کالبیع، وفی الشامیة (قوله فصح رجوعها) أی إذا کان الإبتداء منها بان قالت اختلعت نفسی منک بکذا فلها أن ترجع عنه قبل قبول الزوج و یبطل بقیامها عن المجلس و بقیامه أیضاً ولا یتوقف علی ما وراء المجلس بان کان الزوج غائباً حتی لو بلغه و قبل لم یصح، ولا یصح تعلیقه ولا اضافته بدائع۔

(ردالمحتار:2/607، احسن الفتاوی:5/377-378)

تبدیلِ مجلس

طلاق علیٰ مال اور خلع کا حکم یہ ہے کہ اگر ابتداءً یعنی ایجاب زوجہ کی طرف سے ہو، تب یہ اس کی طرف سے یمین کہلاتا ہے، حتی کہ شوہر کی مجلس ختم ہونے سے یہ ختم نہیں ہوتا، نہ زوج اس سے رجوع کرسکتا ہے اور نہ ہی بیوی کو قبول کرنے سے روک سکتا ہے۔ ہاں اگر عورت کی مجلسِ علم تبدیل ہوگئی اور اس نے ابھی قبول نہیں کیا، یا مجلس کے اندر عورت نے اس کے ایجاب کو ردّ کردیا، تب وہ ایجاب ردّ ہوجائے گا اور اس کے بعد اس سابقہ ایجاب کو قبول کرنے کا عورت کو اختیار نہ ہوگا اور نہ اس سے کوئی طلاق واقع ہوگی، جب تک پھر سے عقدِ جدید نہ ہو۔ (فتاویٰ مفتی محمود:7/328)

تحریری خلع

طلاق وخلع وغیرہ میں زبان سے ہی کچھ کہنا ضروری نہیں،لکھ دینا بھی کافی ہے اور اس مضمون کی لکھی ہوئی تحریر پر اس کو جانتے سمجھتے ہوئے دستخط کر دینا قبول کرنے کے معنی میں ہے، ایسے خلع کو 'تحریری خلع' کہتے ہیں، ایسا کرنے پر خلع واقع ہو جائے گا اور وہ مرد و عورت میاں بیوی نہیں رہیں گے۔

البتہ معاملات میں خط اس وقت حجت ہے، جب کہ کاتب کے اقرار یا بینہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اسی کا خط ہے، نیز اگر کاتب انکار کر دے تو محض تشابہِ خط سے اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ بینہ عادلہ (یعنی دو گواہ) اگر شہادت دیں کہ یہ خط کاتب نے ہمارے سامنے لکھا ہے، اس وقت اس کو مجبور کیا جا سکتا ہے اور باقی مکتوب الیہ کو اس کے خط کی شناخت ہونا اور اس سے غلبۂ ظن ہونا، یہ معاملات میں کافی نہیں، البتہ دیانات میں کافی ہے، یعنی تحریری خلع اس وقت صحیح و نافذ ہو گا جب کہ کاتب اقرار کرے کے یہ خط میرا ہے، یا دو عادل مسلمان گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے یہ تحریر لکھی ہے، جب تک وہ اقرار نہ کرے یا بینہ قایم نہ ہو، اس وقت تک خلع واقع نہ ہوگا۔ (مستفاد از امداد الاحکام: 2/678، مکتبہ دار العلوم، کراچی)

تحریری خلع میں ان کاغذات کا رجسٹری وغیرہ کروانا بھی کوئی شرعی ضرورت نہیں، اس کے بغیر بھی خلع واقع ہو جائے گا۔ 'فتاویٰ دار العلوم دیو بند' سے ایک سوال وجواب ملاحظہ ہو:

سوال: درمیانِ زن وشوہر ابتداءً مخالفت تھی، بہ غرضِ تصفیہ چند اشخاص جمع ہوئے اور یہ فیصلہ قرار پایا۔ اس کے شوہر نے کہا جو مکان مسماۃ کے نام ہے اس سے دست برداری

دے، اس کے عوض مبلغ دو سو روپئے لے لے اور میری دوسری زوجہ کے نام وہ مکان لکھ دے تو میں اس کو طلاق نامہ باضابطہ لکھ دوں۔ درمیان زن وشوہر یہ معاملہ طے ہو گیا، ہر دو نے اسٹامپ لکھ دیے، عورت نے مکان سے دست برداری لکھ دی اور شوہر نے طلاق نامہ لکھ دیا، صرف رجسٹری باقی رہ گئی تھی، شوہر نے دھوکہ دیا اور جسٹری نہیں کرائی۔ اس صورت میں عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: جب کہ شوہر نے طلاق نامہ لکھ دیا اور عورت نے مکان سے دست برداری لکھ دی تو یہ خلع شرعاً مکمل ہو گیا، اگرچہ بوجہ دھوکہ بازیِ شوہر رجسٹری نہ ہو سکا۔ رجسٹری ہونا شرعاً ضروری نہیں ہے، پس اس صورت میں وہ عورت مطلقہ ہو گئی، عدت کے بعد اس کو دوسرا نکاح کر لینا شرعاً درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: 10/126)

تحریری خلع کیسے واقع ہو گا؟

اگر شوہر سے تحریر لکھوائی گئی اور وہ جبر واکراہ سے نہیں تھی، بلکہ رضامندی سے تھی، اور اس میں زید نے صرف اتنا لکھا کہ میں نے تجھ سے خلع کر لیا، تب تو اتنا لکھنے میں طلاقِ بائن واقع ہو گئی، کیوں کہ یہ خود طلاق ہے اور اس تحریر کا بیوی کے پاس پہنچنا اور اس کا قبول کرنا بھی ضروری نہیں، اور اگر اس تحریر میں یہ تھا کہ میں نے تم سے مہر کے عوض خلع کر لیا، تو اس تحریر سے خلع کا صحیح ہونا اور اس سے طلاق کا واقع ہونا بیوی کے قبول کرنے پر موقوف رہے گا، جب بیوی کے پاس یہ تحریر پہنچے اور وہ اسے مجلس میں قبول کر لے، تب تو کلع صحیح ہو کر مہر ساقط ہو جائے گا اور طلاقِ بائن واقع ہو گی، اگر وہ اس مجلس میں قبول نہ کرے تو اب اس کو قبول کرنے کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔ اس صورت میں شوہ کی تحریر بے کار ہو جائے گی اور

دونوں بہ دستور شوہر و بیوی رہیں گے۔۔۔ مختصر یہ کہ نکاح بالیقین قائم رہتا ہے، جب تک اس کو رفع کرنے والی کوئی یقینی شئے متحقق نہ ہو، اس کے مرتفع ہونے کا حکم نہیں کیا جائے گا اور وہ یہاں موجود نہیں یعنی ایجابِ خلع کا قبول اسی مجلس میں ہو، جس میں ایجاب یا ایجاب کا علم ہوا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ محقق جدید: 13/348-351 بترمیم)

تحریری خلع کا کاغذ چاک کرنا

واضح رہے کہ ایک دفعہ ایسی تحریر لکھ لی گئی یا اس پر دستخط کر لیے گئے تو اس سے رجوع کرنے پر خلع باطل نہ ہوگا۔ 'فتاویٰ دارالعلوم دیوبند' سے ایک سوال و جواب ملاحظہ ہو:

سوال: زوجین کی باہمی ناچاکی پر دونوں میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب ہم میں کوئی صورت گذارے کی اور اتفاق باہمی کی نہیں ہے، شوہر نے کہا کہ طلاق نامہ لکھتا ہوں اور عورت نے کہا کہ میں مہر کی معافی کا کاغذ لکھتی ہوں، چناں چہ دونوں نے ان کاغذات کو لکھا۔ ان کے لکھنے کے بعد شوہر کا بڑا بھائی آ گیا، اس سے دونوں نے واقعہ بیان کیا کہ ہم دونوں میں اتفاق اور گذران کی کوئی صورت نہ تھی، اس لیے ہم نے باہم خلاصی کر لی۔ شوہر کے بڑے بھائی نے ان دونوں کو برا بھلا کہا اور دونوں سے کاغذ چاک کرا دیا تو آیا اس صورت میں خلع ہوا یا نہیں اور طلاق ہوئی یا نہیں؟

جواب: زوجین میں باہم خلع ہو گیا اور خلع طلاقِ بائن ہوتا ہے اور جب تحریرِ خلع طرفین سے ہو گئی، شوہر نے طلاق کا کاغذ لکھ لیا اور عورت نے مہر کی معافی کا کاغذ لکھ لیا اور سامنے برادرِ کلاں شوہر کے یہ تقریر کی کہ ہم میاں بیوی میں گذارے کی کوئی صورت نہ تھی، لہٰذا ہم نے خلاصی کر لی تو خلع پورا ہو گیا اور طلاقِ بائنہ عورت پر واقع ہو گئی اور مہر ساقط ہو گیا۔

پھر برادرِ کلاں شوہر کے برا بھلا کہنے سے اگر دونوں کے کاغذ چاک کر دیے گئے تو اس کا کچھ اثر خلع کے جائز ہونے پر نہیں پڑتا اور خلع باطل نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:10/119)

اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی سے ایس ایم ایس کے ذریعے خلع کیا اور اس نے ٹیکسٹ میسج کے ذریعے قبول کر لیا اور بعد میں شوہر نے ایس ایم ایس کو موبائل فون سے ڈلیٹ (delete) کر دیا، تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا، خلع کی وجہ سے اس کی بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی، البتہ کسی عورت نے اپنے شوہر سے ایس ایم ایس کے ذریعے خلع کیا اور بیوی نے ٹیکسٹ میسج پہنچنے سے پہلے رجوع کر لیا، تو اس صورت میں اس کا رجوع صحیح ہو جائے گا۔ (موبائل فون کے ذریعے نکاح وطلاق:302-301)

حکمین کا اختیار

یہ بھی خیال رہے کہ حاکم یا حکمین کو خلع میں جبراً تفریق کا حق حاصل نہیں، البتہ ضرورت کے تحت اس کی ایک صورت یہ نکالی جا سکتی ہے کہ میاں بیوی سے حکمین کے فیصلے پر راضی ہونے کا عہد لے لیا جائے، جیسا کہ امام شافعی کا فرمان ہے:

ولیس لہ أن یأمرھا یفرقان إن رأیا إلا بأمر الزوج ولا یعطیا من مال المرأۃ إلا بإذنھا (قال) فإن اصطلح الزوجان وإلا کان علی الحاکم أن یحکم لکل واحد منھما علی صاحبہ بما یلزمہ من حق فی نفس ومال وأدب (قال) وذلک أن اللہ إنما ذکر أنھما ’إن یریدا اصلاحا‘ یوفق اللہ بینھما‘ ولم یذکر

تفریقا (قال) واختار للإمام أن یسأل الزوجین أن یتراضیا بالحکمین ویؤکلهما معاً ویؤکلهما الزوج، إن رأیا أن یفرقا بینهما فرقا علی ما رأیا من أخذ شیئ أو غیر أخذه۔ (کتاب الأم: 5/194)

جب میاں بیوی کے درمیان تفریق کا اندیشہ ہو اور وہ حاکم کے پاس اپنا معاملہ لے جائیں تو حاکم پر واجب ہے کہ ایک حکم شوہر کی طرف سے اور ایک حکم بیوی کی طرف سے بھیجے، جو کہ اہلِ قناعت واہلِ عقل میں سے ہوں تاکہ زوجین کے معاملے کی تحقیق کریں اور حتی المقدور مصالحت کرادیں، لیکن حاکم کو یہ حق نہیں کہ وہ حکمین کو اپنی رائے سے شوہر کی اجازت کے بغیر تفریق کا حکم دے اور نہ عورت کا کوئی مال اس کی اجازت کے بغیر شوہر کو دے سکتے ہیں۔ پس اگر زوجین میں مصالحت ہو جائے تو فبہا، ورنہ حاکم پر یہ واجب ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک پر دوسرے کے جانی، مالی اور معاشرتی حقوقِ واجبہ کی ادائیگی کا فیصلے کرے۔۔۔ البتہ حاکم کے لیے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ زوجین سے کہے کہ وہ حکمین کے ہر فیصلے پر راضی ہو جائیں اور دونوں انھیں اپنا وکیل بنادیں، شوہر حکمین کو اس بات کا وکیل بنائے کہ وہ اگر

مناسب سمجھیں تو اپنی رائے کے مطابق کچھ لے کر یا بغیر کچھ لیے تفریق کر دیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے ’جدید فقہی مسائل‘ میں ’خلع میں قاضی اور حَکم کے اختیارات‘ سے بحث کرتے ہوئے مختلف مسالک کے دلائل پیش کیے ہیں اور بحث کے آخر میں ان دلائل کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

احناف کے دلائل اس مسئلے میں قابلِ غور ہیں، ان کا یہ کہنا کہ اصل یہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے، تسلیم ہے مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مقاصدِ نکاح کی حفاظت اور زوجین کی مصلحتوں کی رعایت کے پیش نظر قاضی بھی بہت سی صورتوں میں تفریق کا مختار بن جاتا ہے، یہاں بھی زوجین کے بڑھتے ہوئے شدید اور ناقابلِ حل اختلاف کو پیشِ نظر رکھ کر جب قاضی کے نمائندے اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ ان دونوں میں تفریق اور علاحدگی ہونی چاہیے تو مقاصدِ نکاح کی حفاظت اور دونوں کو اللہ کی حدوں پر قایم رکھنے کے لیے ضروری ہوگا کہ یہ لگام مرد سے لے لی جائے اور قاضی کی طرف سے مقرر شدہ حکم از خود تفریق کر دیں۔۔۔ ہمارے زمانے میں جہالت اور احکامِ شرع سے بے خبری اور اس کی وجہ

سے ازدواجی زندگی میں ظلم وستم اور اختلاف کی روشنی میں اگر اس مسئلے میں فقہاے مالکیہ کی ائے قبول کر لی جائے تو شاید مناسب ہو۔ ان امور کے علاوہ ہمارے فلاسفۂ اسلام نے خلع کی جو روح اور حکمت بتائی ہے، وہ بھی اس سے مطابقت رکھتی ہے جو امام مالک کا مسلک ہے، چناں چہ حافظ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: خلع عورت کے اختیار میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے، چناں چہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شریعت نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے۔ یہ چند سطریں اس لیے لکھی گئی ہیں کہ علماے کرام اور اربابِ افتاء اس جزیے پر نظرِ ثانی کریں۔ (جدید فقہی مسائل:130-129، زمزم پبلیشرز، کراچی)

عدالت میں خلع

خلع کے لیے عدالت میں یا قاضی کے پاس جانا ضروری نہیں بلکہ جمہور کے قول کے مطابق میاں بیوی آپسی رضامندی سے خلع کر سکتے ہیں۔

علامہ بیہقی نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے:

ان رجلاً خلع امرأته في ولاية عثمان بن عفان عند

غير سلطان، فأجازه عثمان۔ (الدر المنثور: 2/684، البيهقي: 7/316)

ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قاضی کی عدالت کے بغیر اپنی بیوی سے خلع لیا تو حضرت عثمانؓ نے اسے جائز قرار دیا۔

فقہِ حنفی کی مشہور کتاب 'المبسوط' میں ہے؛

اَلْخُلْعُ جَائِزٌ عِنْدَ السُّلْطَانِ وَغَيْرِهِ، لِأَنَّهُ عَقْدٌ يَعْتَمِدُ التَّرَاضِيَ كَسَائِرِ الْعُقُودِ، وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الطَّلَاقِ بِعِوَضٍ، وَلِلزَّوْجِ وِلَايَةُ إِيقَاعِ الطَّلَاقِ، وَلَهَا وِلَايَةُ الْتِزَامِ الْعِوَضِ، فَلَا مَعْنَى لِاشْتِرَاطِ حَضْرَةِ السُّلْطَانِ فِي هَذَا الْعَقْدِ۔ (المبسوط: 6/176)

خلع حاکم کے پاس بھی جائز ہے اور اس کے بغیر بھی، اس لیے کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی پوری بنیاد باہمی رضامندی پر ہے اور طلاقِ معاوضہ کے حکم میں ہے۔ شوہر کو طلاق دینے کا حق حاصل ہے اور عورت کو اپنے اوپر معاوضہ لازم قرار دینے کا، پس اس میں حاکم کے پاس حاضر ہونے کی ضرورت نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

حَضْرَةُ السُّلْطَانِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ لِجَوَازِ الْخُلْعِ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ، وَالصَّحِيحُ قَوْلُهُمْ هَكَذَا فِي الْبَدَائِعِ۔ (الهندية:1/519)

عامۃ العلما کے نزدیک حاکم کے پاس حاضر ہونا خلع کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے، اوران کا قول صحیح ہے۔

فقہِ شافعی کی مشہور کتاب 'الام' میں مرقوم ہے:

فلا يكون لأحد أن يطلق عن أحد، لا أب، ولا سيد، ولا ولى، ولا سلطان، إنما يطلق المرء عن نفسه، يطلق عليه السلطان بما لزمه من نفسه اذا امتنع هو وأن يطلق وكان ممن له طلاق، وليس الخلع من هذا المعنى بسبيل۔ (كتاب الأم:5/200، مكتبة الكليات الازهرية)

کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے طلاق دے، والد کو نہ آقا کو، ولی کو اور نہ حاکم کو۔ طلاق تو انسان اپنی طرف سے خود دیتا ہے، یا جب وہ طلاق کے باوجود طلاق کا اہل ہونے سے باز رہے اور اسی کی طرف سے حاکم کو طلاق دینا لازم ہو جائے تو حاکم طلاق دیتا ہے، لیکن خلع میں یہ صورت بالکل نہیں پائی جاسکتی۔

فقہِ مالکی کی مشہور کتاب 'المنتقی' میں ہے:

ویجبر علی الرجوع إلیه لم یرد فراقها بخلع أو غیره۔ (المنتقی: 7/61، مطبعة السعادة)

اگر شوہر خلع دینے کے لیے راضی نہ ہو تو بیوی کو شوہر کے پاس لوٹایا جائے گا۔

فقہِ حنبلی کی مشہور کتاب 'المغنی' میں ہے:

لا یفتقر الخلع إلی حاکم نص علیه أحمد فقال: یجوز الخلع دون السلطان وروی البخاري ذلك عن عمر وعثمان رضي الله عنهما وبه قال شریح والزهري ومالك، والشافعي وإسحاق وأهل الرأي وعن الحسن، وابن سیرین لا یجوز إلا عند السلطان ولنا قول عمر وعثمان ولأنه معاوضة، فلم یفتقر إلی السلطان کالبیع والنکاح ولأنه قطع عقد بالتراضي، أشبه الإقالة۔ (المغنی: 269-10/268)

خلع کے لیے حاکم کی ضرورت نہیں، امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے۔۔۔ خلع عقدِ معاوضہ ہے لہٰذا اس میں حاکم کی ضرورت نہیں، جیسے بیع اور نکاح وغیرہ، علاوہ ازیں خلع باہمی رضامندی سے عقدِ نکاح کو ختم کرنے کا نام

ہے، لہٰذا وہ اقالہ کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:

لیس فی الآیۃ فی شیئ من السنن أن للحکمین أن یفرقا ولا أن ذلک للحاکم۔ (المحلی:10/88، ادار الطباعۃ المنیریۃ، مصر)

کسی آیت یا کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حکمین کو زوجین کے درمیان علاحدگی کرنے کا اختیار ہے اور نہ یہ اختیار حاکم کے لیے ثابت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ خلع کے لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ عدالت حاضر ہوا جائے بلکہ زوجہ مہر معاف کردے اور شوہر اپنے حقوقِ زوجیت ساقط کردے، بس خلع ہوگیا۔

فی الموسوعۃ: جوازہ بحاکم و بلا حاکم: ذھب جمھور الفقھاء إلی جواز الخلع بحاکم و بلا حاکم، و ھو قول عمر رضي اللہ عنہ، فقد روی ابن أبي شیبۃ عن طریق خیثمۃ بن عبدالرّحمن موصولاً، أن بشر بن مروان أتي في خلع کان بین رجل و امرأۃ فلم یجزہ فقال لہ عبداللہ بن شھاب الخولانيّ: قد أتی عمر في خلع فأجازہ، ولأنّ الطّلاق من حیث النّظر جائز بلا حاکم فکذلك الخلع۔ و ذھب الحسن البصريّ کما ذکر الحافظ في الفتح إلی عدم جواز الخلع دون السّلطان بدلیل قولہ تعالی: {فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ}، وقولہ تعالی: {وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ

أَهْلِهَا﴾۔قال: فجعل الخوف لغیر الزّوجین و لم یقل فإن خافا۔(الموسوعة الفقهیة الکوتیة: 19/244)

سرکاری عدالت میں خلع

دیگر عقود کی طرح خلع میں بھی جانبین یعنی زوجین کی رضامندی ضروری ہے اور قاضی کے لیے اس کے بغیر خلع کی ڈگری جاری کرنا صحیح نہیں، اگر کردی گئی تو شرعاً خلع واقع نہیں ہوگا اور نکاح بہ دستور باقی رہے گا، اس صورت میں عورت نکاحِ ثانی نہیں کرسکتی۔

کما قال الکاسانی: وأما رکنه فهو الایجاب والقبول لانه عقد علی الطلاق بعوض فلاتقع الفرقة ولا یستحق العوض بدون القبول۔(بدائع الصنائع، 145/3)و قال السرخسی: والخلع جائز عند السلطان و غیره لانه عقد یعتمد التراضی کسائر العقود وهو بمنزلة الطلاق بعوض وللزوج ایقاع الطلاق ولها ولایة الالتزام بعوض۔(المبسوط 173/6)

پنچایت کی طرف سے خلع

اگر میاں بیوی کا معاملہ پنچایت میں پیش ہو اور پنچایت ان دونوں سے اس بات کا اقرارنامہ لکھوالے کہ جو کچھ پنچایت فیصلہ دے گی فریقین کو منظور ہوگا، اس بعد پنچایت یہ فیصلہ کرے کہ مسماۃ کو اتنے عوض پر آزاد کیا گیا تو یہ خلع صحیح ہوجائے گا اور عورت آزاد ہوجائے گی۔

’فتاویٰ دارالعلوم دیوبند‘ سے ایک سوال وجواب ملاحظہ ہو:

سوال: امیر حسن اپنی زوجہ کی خبر گیری نہیں کرتا تھا، بالآخر پنچایت نے امیر حسن

اوراس کی زوجہ سے اقرار نامہ اس امر کا لکھا لیا کہ جو چکھ پنچایت فیصلہ کر دے گی وہ فریقین کو منظور ہوگا، اس کے بعد پنچایت نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم مسماۃ مریم کا مہر مبلغ دوسو روپئے ماہوار کی تمام رقم امیر حسن کو معاف کرتے ہیں اور امیر حسن کی زوجہ مریم کو آزاد کیا گیا، شرعاً مسماۃ مریم آزاد ہوئی یا نہیں اور یہ آزادی بہ طریق خلع ہوئی یا بہ طریقِ طلاق؟

جواب: اس صورت میں مسماۃ مریم آزاد ہوگئی اور طلاقِ بائنہ اس پر واقع ہوگئی اور یہ آزادی بہ طریق خلع و بہ طریقِ طلاق علی المال ہوئی۔ (دیکھیے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:10/130)

مجبوری میں کیا کرے؟

ذہن نشین رہے کہ دین بے زاری، خوف خدا سے عاری اور جہالتِ علمِ دین نے سماج میں جو مختلف مسائل پیدا کر دیے ہیں، من جملہ ان کے یہ ایک اہم مسئلہ ہے کہ باوجود ضرورت کے کبھی شوہر بیوی کو طلاق دینے پر راضی ہوتا ہے نہ خلع پر۔ ایسے حالات میں عدل وانصاف قایم کرنے کے لیے اہلِ فتویٰ نے کسی حد تک سختی سے کام لینے کی اجازت بھی دی ہے۔

'فتاویٰ دارالعلوم دیوبند' میں ہے:

> بہ صورتِ ناموافقتِ زوجین یہ بہتر ہے کہ (طلاق یا) خلع ہوجائے، لیکن خلع میں زوجین کی رضامندی ضروری ہے، عورت تو خود چاہتی ہے اور خلع پر راضی ہے، مرد کو بھی راضی کرلینا چاہیے۔ اگر وہ بہ عوض مہر خلع کرلے گا، خلع ہو جائے گا اور عورت اس کی قیدِ نکاح سے باہر ہوجائے گی، اس لیے شوہر کو سمجھانا چاہیے، یا بہ ذریعۂ حکام اس کو مجبور کیا

جائے کہ خلع کر لے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: 10/116، امداد الاحکام: 2/684)

البتہ عورت یا اس کا والد خلع کا ایک طرفہ اعلان کر دے تو اس سے میاں بیوی میں علاحدگی نہیں ہوگی۔ (کتاب الفتاویٰ: 5/126)

آخری راستہ

علامہ جصاص فرماتے ہیں:

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لامرأة ثابت بن قیس، أتردین علیه حدیقته، فقالت: نعم۔ فقال للزوج خذها وفارقها، یدل علی ذلک أیضا، لأنه لو کان الخلع عند السلطان شاء الزوجان أو أبیا إذا علم أنهما لا یقیمان حدود الله، لم یسئلهما النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن ذلک، ولا خاطب الزوج بقوله اخلعها، بل کان یخلعها منه، و یرد علیه حدیقته، وإن أبیا أو واحد منهما۔ (أحکام القرآن: 2/95، دار احیاء التراثی العربی، بیروت)

اگر خلع کا اختیار حاکم کو ہوتا کہ وہ جب دیکھے کہ زوجین حدود اللہ کو قایم نہیں رکھ سکیں گے تو زوجین کی خواہی نہ خواہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جمیلہ اور ان کے شوہر رضی اللہ عنہما کے معاملے میں کچھ نہ پوچھتے اور شوہر سے یہ

نہ کہتے کہ تم اسے خلع دے دو بلکہ خود خلع دے کر شوہر کا
باغ انھیں لوٹا دیتے، خواہ وہ دونوں انکار کرتے یا ان میں
سے کوئی ایک انکار کرتا۔

اس لیے حالات ناگفتہ بہ ہو جانے پر ہی تفریقِ قاضی کی راہ اپنائی جائے، جس میں شرعی قاضی کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ شوہر کی مرضی کے بغیر بھی بعض مخصوص حالات میں باہم تفریق کروا سکتا ہے۔

عدالت سے تنسیخِ نکاح کا فیصلہ حاصل کرنے کے لیے شرعی اسباب اور وجوہات کا پایا جانا ضروری ہے، محض ذہنی ہم آہنگی نہ ہونا یا طبیعت کی عدم موافقت یا معمولی رنجش کی بنا پر نکاح ختم کرانے کے لیے عورت کو عدالت سے رجوع کر کے فیصلہ حاصل کرنے کا حق نہیں ہوتا بلکہ عدالتی فیصلے کے لیے شرعی عذر اور شدید مجبوری کا تحقّق ہونا ضروری ہے، ورنہ پھر شوہر کو خلع پر راضی کر کے خلع لینا ضروری ہے۔ دونوں کی رضامندی کے بغیر کسی کو خلع کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہوتا جب کہ قاضی یا عدالت کے مسلم جج کو بعض مخصوص حالات میں مخصوص شرائط کے تحت فسخِ نکاح یا تنسیخِ نکاح کا فیصلہ صادر کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ (فتاویٰ بینات: 3/330-331، جامعۃ العلوم الاسلامیہ، کراچی ملخصاً)

'فتاویٰ دار العلوم دیو بند' سے ایک سوال و جواب ملاحظہ ہو:

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بہت مجبور کر رکھا ہے اور بدمعاش آدمی ہے اور نہ نان ونفقہ دیتا ہے، نہ خبر گیری کرتا ہے۔ ایسی صورت کو طلاق بہ طور خلع دلوانی چاہیے کہ نہیں، اگر اس پر بھی طلاق نہ دے تو حاکمِ وقت سے کہہ کر جبراً طلاق دلائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: حنفیہ کے مذہب کے موافق اس صورت میں بدون طلاق دینے شوہر کے تفریق نہیں ہوسکتی، البتہ خلع ہوسکتا ہے۔ خلع کی صورت یہ ہے کہ عورت مثلاً مہر معاف کر دے اور شوہر طلاق دے دے اور حاکمِ وقت اگر جبراً شوہر سے طلاق دلوا دے تو یہ صورت بھی ہوسکتی ہے، طلاق واقع ہوجاوے گی، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک اکراہ سے بھی طلاق ہو جاوے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم: 10/116-117)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اہلِ علم وفتویٰ کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> امام مالک کے نزدیک قاضی زوجین کے حد سے گزرے ہوئے باہمی اختلاف کی صورت میں ایک دو رکنی مصالحتی کمیٹی قایم کرے گا، جس میں بہتر ہے کہ ایک مرد کا رشتے دار ہو اور دوسرا عورت کا، اور اتفاق کی کوئی صورت نکل آئے تو دونوں مصالحت کرادیں اور اگر یہ ممکن نہ ہوسکے اور دونوں کی رائے ہو کہ باہم تفریق اور علاحدگی کرادی جائے تو وہ یہ بھی کرسکتے ہیں، اس طرح کہ مرد کا رشتے دار حکم طلاق دے اور عورت کا رشتے دار حکم مہر معاف کر دے یا جو معاوضہ مناسب سمجھے عورت کو اس کی ادائیگی کا پابند کرے اور دونوں میں تفریق ہوجائے۔۔۔اس مسئلے میں امام مالک کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے اور یہی

اکثر فقہا؛ اوزاعی، اسحاق، شعبی، نخعی، طاؤس، ابوسلمہ، ابراہیم، مجاہد اور امام شافعی کی ہے اور صحابہ میں حضرت علی، عثمان اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک نقل کیا گیا ہے۔ (قاموس الفقہ :3/366-368، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)

جب کہ بہ طور فتویٰ موصوف نے ایک مقام پر یہی تحریر فرمایا ہے کہ خلع کے لیے شوہر کی رضامندی ضروری ہے، البتہ اگر شوہر نے ظلم کیا ہو اور ظلم اس درجے کا ہو کہ اس کی وجہ سے فقہاء نے تفریق کی اجازت دی ہو تو دارالقضاء میں درخواست بابتِ فسخِ نکاح دے، پھر جب قاضیِ شریعت تحقیق کے بعد نکاح فسخ کر دے تو وہ دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہو گی اور اسے اپنے موجودہ شوہر سے خلاصی حاصل ہو سکے گی۔ (کتاب الفتاوی:5/127 ملخصاً)

مختلعہ کی عدت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہیں:

إِنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عِدَّتَهَا حَيْضَةً۔ (ابو داؤد:2229)

ثابت بن قیس کی بیوی نے اس سے خلع لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی عدت ایک حیض مقرر کی۔

حضرت ربیع بنت معوذؓ سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں:

اخْتَلَعْتُ مِنْ زَوْجِي، ثُمَّ جِئْتُ عُثْمَانَ، فَسَأَلْتُهُ مَاذَا عَلَيَّ مِنَ الْعِدَّةِ، فَقَالَ: "لَا عِدَّةَ عَلَيْكِ إِلَّا أَنْ تَكُونِي

حَدِيثَةَ عَهْدٍ بِهِ، فَتَمْكُثِي حَتَّى تَحِيضِي حَيْضَةً، قَالَ: وَأَنَا مُتَّبِعٌ فِي ذَلِكَ قَضَاءَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرْيَمَ الْمَغَالِيَّةِ: كَانَتْ تَحْتَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، فَاخْتَلَعَتْ مِنْهُ۔ (سنن ابن ماجه: 2058، تحفة الأشراف: 1536)

میں نے اپنے شوہر سے خلع حاصل کیا پھر میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے دریافت کیا کیا حکم ہے میری عدت کے واسطے یعنی میں کتنی عدت گزاروں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھارے ذمّے عدت واجب نہیں جس وقت تم ان ہی دنوں میں اپنے شوہر کے پاس رہی ہو تو تم ٹھہر جانا یہاں تک کہ تم کو ایک حیض آجائے اور بیان کیا کہ میں اس مسئلے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کا تابع ہوں جو کہ مریم مغالیہ کا فیصلہ تھا، وہ مریم ثابت بن قیس کی اہلیہ تھیں، جنھوں نے اپنے شوہر سے خلع لیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ثابت بن قیس کی بیوی نے اپنے شوہر سے خلع لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم فرمایا۔

امام ترمذی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي عِدَّةِ الْمُخْتَلِعَةِ فَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِنَّ عِدَّةَ الْمُخْتَلِعَةِ عِدَّةُ الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثُ حِيَضٍ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحَقُ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِنَّ عِدَّةَ الْمُخْتَلِعَةِ حَيْضَةٌ، قَالَ إِسْحَقُ وَإِنْ ذَهَبَ ذَاهِبٌ إِلَى هَذَا فَهُوَ مَذْهَبٌ قَوِيٌّ۔ (ترمزی:1185)

یہ حدیث حسن غریب ہے، خلع لینے والی عورت کی عدت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس کی عدت بھی مطلقہ کی طرح ہے۔ثوری، اہل کوفہ، کا یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک خلع لینے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے اسحاق فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس

مسلک پر عمل کرے تو یہی قوی مسلک ہے۔

نافع روایت کرتے ہیں:

أَنَّ رُبَيِّعَ بِنْتَ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ جَائَتْ هِيَ وَعَمُّهَا إِلَى عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ فَأَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا فِي زَمَانِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَبَلَغَ ذَلِكَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَلَمْ يُنْكِرْهُ وَقَالَ عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ عِدَّتُهَا عِدَّةُ الْمُطَلَّقَةِ۔ (مؤطا امام مالک: 2462، رجالہ ثقات)

ربیع بنت معوذ بن عفرا اور ان کی پھوبھی عبداللہ بن عمر کے پاس آئیں اور بیان کیا کہ انھوں نے اپنے خاوند سے خلع کیا تھا حضرت عثمان کے زمانے میں جب یہ خبر حضرت عثمان کو پہنچی انھوں نے برا نہ جانا۔ عبداللہ بن عمر نے کہا جو عورت خلع کرے اس کی عدت مطلقہ کی عدت کی طرح ہے۔

سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار اور ابن شہاب کہتے تھے:

عِدَّةُ الْمُخْتَلِعَةِ مِثْلُ عِدَّةِ الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثَةُ قُرُوءٍ۔ (مؤطا امام مالک: 2463، رجالہ ثقات)

جو عورت خلع کرے وہ تین طہر تک عدت کرے جیسے مطلقہ عدت کرتی ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عدۃ المختلعۃ مثل عدۃ المطلقۃ۔(الدر المنثور: 2/684، مصنف عبد الرزاق:11860)

خلع کرنے والی کی عدت مطلقہ کی عدت کی مثل ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

وحديث ابن عباس في الحيضة مع غرابته كما ذكر الترمذي، وإرساله كما ذكر أبو داود فقد قيل فيه: إن النبي ﷺ جعل عدتها حيضة ونصفا، أخرجه الدارقطني من حديث معمر عن عمرو بن مسلم عن عكرمة عن ابن عباس: أن امرأة ثابت بن قيس اختلعت من زوجها (فجعل النبي ﷺ عدتها حيضة ونصفا)۔ والراوي عن معمر هنا في الحيضة والنصف هو الراوي عنه في الحيضة الواحدة، وهو هشام بن يوسف أبو عبد الرحمن الصنعاني اليماني: خرج له البخاري وحده فالحديث مضطرب من جهة الإسناد والمتن، فسقط الاحتجاج به في أن الخلع فسخ، وفي أن عدة المطلقة حيضة، وبقي قوله تعالى: 'والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء'

نصافي كل مطلقة مدخول بها۔(القرطبی:86-3/85)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک حیض کے بارے میں حدیث اپنی غرابت کے باوجود، جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے، اور مرسل ہونے کے باوجود، جیسا کہ ابوداؤد نے ذکر کیا ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی عدت ڈیرھ حیض مقرر فرمائی ہے، جسے دارقطنی نے معمر سے روایت کیا ہے۔۔۔ یہاں معمر سے ڈیڑھ حیض روایت کرنے والا وہی راوی ہے جو ان سے ایک حیض روایت کرتا ہے اور وہ ہشام بن یوسف ابوعبدالرحمن صنعانی الیمانی ہے، اکیلے امام بخاری نے اس کی روایت نقل کی ہے۔ پس سند اور متن کے اعتبار سے حدیث مضطرب ہے، اس سے اس بارے میں استدلال کرنا ساقط ہو گیا کہ خلع فسخِ نکاح ہے اور اس بارے میں بھی کہ اس کی عدت ایک حیض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلثة قروء۔ ہر مطلقہ مدخول بہا کے لیے نص ہے۔

وفی الموسوعة: عدّة المختلعة: ذهب جمهور الفقهاء 'الحنفيّة والمالكيّة والشّافعيّة والحنابلة في المذهب' إلى أنّ عدّة المختلعة عدّة المطلّقة وهو قول سعيد بن المسيّب وسالم بن عبدالله، وسليمان بن يسار، وعمر بن عبدالعزيز، والحسن،

والشّعبيّ، والنّخعيّ، والزّهريّ وغيرهم۔ (الموسوعة الفقهية الكوتية: 19/252)

عدت کب سے شمارہ ہوگی

طلاق علیٰ مال اور خلع جس متعینہ رقم پر واقع ہونا قرار پائے، عورت کی عدت اس وقت سے شمار ہوگی جب کہ شوہر طلاق دے کر طے شدہ مال وصول پائے گا۔ اردو فتاویٰ سے ایک سوال و جواب ملاحظہ ہو:

سوال: ایک آدمی نے اپنی عورت کو طلاق بہ عوض رقم دینے کا وعدہ کیا۔ معوضہ رقم کا نصف آج کی تاریخ سے لے لیتا ہے اور نصف کے لیے مدّت مقرر کر دی کہ ایک ماہ کے بعد بقای ماندہ نصف جب ادا ہوگی تب طلاق دوں گا، اب ایک ماہ گزر جانے کے بعد رقم وصول کر کے طلاق دے۔ ایک ماہ اور چودہ دن گزرے تو دوسرا نکاح پڑھوا دیا گیا، یہ نکاح بعد از طلاق ایک ماہ چودہ دن گزرنے کے معتبر عند الشرع ہے یا نہیں؟ اور عورت کا یہ بیان کہ جب نصف اول رقم وصول کی تھی، اس کے تین حیض پورے ہوئے اور پھر نکاح ہو یعنی تین حیض کی تکمیل دو ماہ چودہ دن میں ہوئی اور نکاح طلاق ملنے کے ایک ماہ چودہ دن بعد پڑھا گیا، کیا یہ طلاق نصف اوّل رقم وصول کرنے پر ہو جاتی ہے، یا نصف ثانی کے وصول کے بعد ہوتی ہے؟

جواب: جب شوہر نے ساری رقم وصول کر کے جس وقت طلاق دی ہے، اسی وقت سے طلاق شمار ہوگی اور اس وقت سے تین حیض مکمل گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اس وقت سے اگر تین حیض پورے بھی ہو گئے ہیں، کیوں کہ اس صورت میں تو زوج نے بیوی کو اس وقت طلاق نہیں دی ہے، بلکہ طلاق دینے کا وعدہ کر چکا ہے، اس لیے نصف اول کے لیتے وقت طلاق واقع شمار نہ ہوگی، ہاں اگر زوج نے ایسا کہہ دیا ہو کہ میں نے بہ عوض اتنی رقم

آپ کو طلاق دے دی یا آپ سے خلع کرلیا، تو ایسی صورت میں عورت کے قبول کرنے ہی سے طلاق ہوگئی ہے، اگرچہ رقم ابھی تک بالکل نہ دی ہو۔ (فتاویٰ مفتی محمودؒ 7/330 ملخصاً)

مختلعہ کا نفقہ وسکنیٰ

اگر خلع میں ایامِ عدت کے نفقہ وسکنیٰ کا ذکر نہ آیا ہو تو یہ دونوں ساقط نہ ہوں گے اور اگر ان دونوں کے سقوط کی تصریح کی ہو تو دونوں ساقط ہو جائیں گے، مگر چوں کہ عدت اسی مکان میں گزارنا واجب ہے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے اس لیے اگر بہ وقتِ طلاق زوج کے مکان میں سکونت تھی تو عدت گزرنے تک وہاں سے نکلنا جائز نہیں، بلکہ اسقاطِ سکنیٰ کی وجہ سے زوجہ کو مکان کا کرایہ ادا کرے۔ (احسن الفتاویٰ:5/378)

قال السرخسی:

ولا یصح ابراؤھا عن السنکی فی الخلع، لأن خروجها من بیت الزوج معصیة، قالوا لو أبرأته عن مؤنة السکنی بأن سکنت فی بیت نفسها، التزمت مؤنة السکنی من مالها۔ (المبسوط:6/173)

و فی الدر المختار: صح لإختصاص البراءة بحقوق النکاح (إلا نفقة العدة) و سکناها، فلا یسقطان (إلا إذا نص علیها) فسقط النفقة لا السکنی لأنها حق الشرع۔ (الدر المختار مع الرد المحتار:5/108)

دورانِ عدت رجوع

سعید بن مسیّب اور ابن شہاب رحمہا اللہ کی روایت کے مطابق اگر شوہر دورانِ عدت بدلِ خلع واپس کر دے تو یک طرفہ رجوع کر سکتا ہے لیکن جمہور فقہاء نے اس قول کو قبول نہیں کیا ہے۔

قال القاضی: ولا رجعة فی الخلع خلافاً لأبی ثور لأن المرأة إنما تبذل العوض لإزالة الضرر عنها۔ (المعونة علی مذهب عالم المدینة: 1/590، دار الکتب العمیة، بیروت)

وفی بدایة المجتهد: أن جمهور العلماء أجمعوا علی أنه لا رجعة للزوج علی المختلعة فی العدة، إلا ما روی عن سعید بن المسیب وابن شهاب۔ (بدایة المجتهد ونهایة المقتصد: 2/70، دار المعرفة، بیروت)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

ولیس للمخالع أن یراجع المختلعة فی العدة بغیر رضاها عند الأئمة الأربعة وجمهور العلماء، لأنها قد ملکت نفسها بما بذلت له من العطاء۔ (تفسیر ابن کثیر: 2/355)

جمہور علما اور ائمۂ اربعہ کے نزدیک شوہر کو خلع والی عورت سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، اس لیے کہ اس نے مال دے کر خود کو آزاد کرا لیا ہے۔



ضمیمہ

اسلام کا نظامِ طلاق بھی سراپا عادلانہ وحکیمانہ ہے!

دینِ اسلام کی رو سے نکاح ایک ایسا پاکیزہ رشتہ ہے، جسے ایک بار قائم ہونے کے بعد ہمیشہ باقی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنا لازم وضروری قرار دیا گیا ہے۔ تفریقِ زوجین خواہ کسی طریقے سے ہو،اسلام میں شدید ضرورت کے تحت ہی اسے مشروع کیا گیا ہے اور اگر زوجین میں ناچاقی اس حد تک بڑھ جائے کہ تفریق کا اندیشہ ہونے لگے، اس سے قبل باہم مصالحت کی ہر ممکن کوشش کی ہدایت خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس کے باوجود اسلامی نظامِ خلع وطلاق وغیرہ پر جو چوطرفہ چہ مے گوئیاں کی جاتی ہیں، انتہائی نامناسب اور اعتدال سے پَرے ہیں۔ **ندیم احمد انصاری**

اسلامی تعلیمات کا اصل رُخ یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ اور معاہدہ عمر بھر کے لیے ہو، اس کے توڑنے اور ختم کرنے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے، کیوں کہ اس معاملے کے انقطاع کا اثر صرف فریقین پر نہیں پڑتا، نسل واولاد کی تباہی وبربادی اور بعض اوقات خاندانوں اور قبیلوں میں فساد تک کی نوبت پہنچتی ہے اور پورا معاشرہ بُری طرح اس سے متاثر ہوتا ہے، اسی لیے جو اسباب اور وجوہ اس معاملے کو توڑنے کا سبب بن سکتے ہیں، قرآن وسنت کی تعلیمات نے ان تمام اسباب کو راہ سے ہٹانے کا پورا انتظام کیا ہے۔ زوجین کے ہر معاملے اور ہر حال

کے لیے جو ہدایتیں قرآن وسنت میں مذکور ہیں، ان سب کا حاصل یہی ہے کہ یہ رشتہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوتا چلا جائے، ٹوٹنے نہ پائے۔ ناموافقت کی صورت میں اوّل افہام وتفہیم کی، پھر زجر وتنبیہ کی ہدایتیں دی گئیں اور اگر بات بڑھ جائے اور اس سے بھی کام نہ چلے تو خاندان ہی کے چند افراد کو حکَم اور ثالث بنا کر معاملہ طے کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

آیت؛ **حکماً من أھلہ و حکماً من أھلھا**۔ (النساء: ۳۵) میں خاندان ہی کے افراد کو ثالث بنانے کا ارشاد کس قدر حکیمانہ ہے کہ اگر معاملہ خاندان سے باہر گیا تو بات بڑھ جانے اور دلوں میں زیادہ بُعد پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے، لیکن بعض اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ اصلاحِ حال کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں اور تعلقِ نکاح کے مطلوبہ ثمرات حاصل ہونے کے بجائے طرفین کا آپس میں مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے، ایسی حالت میں اس ازدواجی تعلق کا ختم کر دینا ہی طرفین کے لیے راحت اور سلامتی کی راہ رہ جاتی ہے، اس لیے شریعتِ اسلام نے بعض دوسرے مذاہب کی طرح یہ بھی نہیں کیا کہ رشتۂ ازدواج ہر حالت میں ناقابلِ فسخ ہی رہے بلکہ طلاق اور فسخِ نکاح کا قانون بنایا۔ طلاق کا اختیار تو صرف مرد کو دیا، جس میں کوئی مانے یا مانے لیکن عادتاً فکر وتدبّر اور تحمل کا مادّہ عورت سے زائد ہوتا ہے، عورت کے ہاتھ میں یہ آزادانہ اختیار نہیں دیا تاکہ وقتی تاثرات سے مغلوب ہو جانا، جو عورت میں بہ نسبت مرد کے زیادہ ہے، وہ طلاق کا سبب نہ بن جائے، لیکن عورت کو بھی بالکل اس حق سے محروم نہیں رکھا کہ وہ شوہر کے ظلم وستم سہنے ہی پر مجبور ہو جائے، بلکہ اس کو یہ حق دیا کہ حاکمِ شرعی یا قاضی کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرکے اور شکایات کا ثبوت دے کر نکاح فسخ کرا سکے یا طلاق حاصل کر سکے، پھر مرد کو طلاق کا آزادانہ

اختیار دے دیا، مگر اوّل تو یہ کہہ دیا کہ اس اختیار کا استعمال کرنا اللہ کے نزدیک بہت مبغوض و مکروہ ہے، صرف مجبوری کی حالت میں اجازت ہے، جیسا کہ حدیث میں ارشادِ نبوی ہے؛

أبغض الحلال إلى الله الطلاق۔

حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور مکروہ چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔

دوسری پابندی یہ لگائی کہ حالتِ غیظ و غضب میں یا کسی وقتی اور ہنگامی ناگواری میں اس اختیار کو استعمال نہ کریں۔ اِسی حکمت کے تحت حالتِ حیض میں طلاق دینے کو ممنوع قرار دیا اور حالتِ طہر میں بھی۔۔۔ جس طہر میں صحبت و ہم بستری ہو چکی ہو، اس میں طلاق دینے کو اس بنا پر ممنوع قرار دیا کہ اس کی وجہ سے عورت کی عدت طویل ہو جائے گی، اس طرح اس کو تکلیف ہو گی، ان دونوں چیزوں کے لیے قرآنِ کریم کا ارشاد یہ آیا؛ **فطلقوھن بعدتھن** ۔یعنی طلاق دینا ہو تو ایسے وقت میں دو جس میں بلا وجہ عورت کی عدّت طویل نہ ہو۔ (البقرہ:56) حیض کی حالت میں طلاق ہوئی تو موجودہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا، اس کے بعد طہر اور پھر طہر کے بعد حیض سے عدت شمار ہوگی اور جس طہر میں ہم بستری ہو چکی ہے، اس میں یہ امکان ہے کہ حمل رہ گیا ہو تو عدّت وضعِ حمل تک طویل ہو جائے گی۔ طلاق دینے کے لیے مذکورہ وقت طہر کا مقرر کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اس انتظار کے وقفے میں بہت ممکن ہے کہ غصّہ فرو ہو کر طلاق کا ارادہ ہی ختم ہو جائے۔

طلاق کے تین درجے

تیسری پابندی یہ لگائی کہ معاہدۂ نکاح توڑنے اور فسخ کرنے کا طریقہ بھی وہ نہیں رکھا جو عام بیع و شرا کے معاملات و معاہدات کا ہے کہ ایک مرتبہ فسخ کر دیا تو اسی وقت، اسی

منٹ میں فریقین آزاد ہو گئے اور پہلا معاملہ بالکل ختم ہو گیا، ہر ایک کو اختیار ہو گیا کہ دوسرے سے معاہدہ کر لے، بلکہ معاملۂ نکاح کو قطع کرنے کے لیے اوّل تو اس کے تین درجے تین طلاقوں کی صورت میں رکھے گئے، پھر اس عدّت کی پابندی لگا دی کہ عدّت پوری ہونے تک معاملۂ نکاح کے بہت سے اثرات باقی رہیں گے، عورت کو دوسرا نکاح حلال نہ ہوگا، مرد کے لیے بھی بعض پابندیاں باقی رہیں گی۔

ظلم سے بچانے کی تدبیر

چوتھی پابندی یہ لگائی کہ اگر صاف وصریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دی گئی ہیں، تو طلاق دیتے ہی نکاح نہیں ٹوٹا بلکہ رشتۂ ازدواج عدّت پوری ہونے تک قائم ہے، دورانِ عدّت اگر یہ اپنی طلاق سے رجوع کر لے تو نکاحِ سابق بحال ہو جائے گا، لیکن یہ رجوع کرنے کا اختیار صرف ایک یا دو طلاق تک محدود کر دیا گیا تا کہ کوئی ظالم شوہر ایسا نہ کر سکے کہ ہمیشہ طلاق دیتا رہے، پھر رجور کر کے اپنی قید میں رکھتا رہے، اس لیے حکم دے دیا گیا کہ اگر کسی نے تیسری طلاق بھی دے دی تو اب اس کو رجوع کرنے کا بھی اختیار نہیں، بلکہ اگر دونوں راضی ہو کر آپس میں دوبارہ بھی نکاح کرنا چاہیں، تو بغیر ایک مخصوص صورت کے دوبارہ نکاح بھی حلال نہیں۔ آیاتِ مذکورہ میں اسی نظامِ طلاق کے اہم احکام کا ذکر ہے، اب ان آیات کے الفاظ پر غور کیجیے۔

تین طلاقیں قرآن میں

پہلی آیت میں اوّل تو ارشاد فرمایا: الطلاق مرتان۔ یعنی طلاق دو ہی مرتبہ ہے،

پھران دونوں مرتبہ کی طلاق میں یہ لچک رکھ دی کہ ان سے نکاح بالکل ختم نہیں ہوا بلکہ عدّت پوری ہونے تک مرد کو اختیار ہے کہ رجوع کر کے بیوی کو اپنے نکاح میں روک لے یا پھر رجوع نہ کرے، عدّت پوری ہونے دے، عدّت پوری ہونے پر نکاح کا تعلق ختم ہو جائے گا۔اسی مضمون کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا: فامساك بمعروف أو تسريح بإحسان۔یعنی یا تو شرعی قاعدے کے مطابق رجعت کر کے بیوی کو اپنے نکاح میں روک لے یا پھر خوب صورتی اور خوش معاملگی کے ساتھ اس کی عدت پوری ہونے دے تا کہ وہ اس رشتے سے آزاد ہو جائے۔۔۔آگے چل کر تیسری طلاق کا ذکر اس طرح فرمایا: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره۔یعنی اگر اس شخص نے تیسری طلاق بھی دے ڈالی (جو شرعاً ناپسندیدہ تھی) تو اب نکاح کا معاملہ بالکل ختم ہو گیا، اس کو رجعت کرنے کا کوئی اختیار نہ رہا اور چوں کہ اس نے شرعی حدود سے تجاوز کیا کہ بلا وجہ تیسری طلاق دے دی، تو اس کی سزا یہ ہے کہ اب اگر یہ دونوں راضی ہو کر پھر آپس میں نکاح کرنا چاہیں تو بھی نہیں کر سکتے۔اب ان کے آپس میں دوبارہ نکاح کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ عورت (عدتِ طلاق پوری کر کے) کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور حقوقِ زوجیت ادا کر کے دوسرے شوہر کے ساتھ رہے، پھر اگر اتفاق سے وہ دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے یا اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہو سکتا ہے، آیت کے آخری جملے: فان طلقها فلا جناح عليهما أن يتراجعا کا یہی مطلب ہے۔

طلاقِ سنّت

یہاں قرآنِ کریم کے اسلوبِ بیان پر غور کرنے سے یہ بات پوری وضاحت کے

ساتھ سامنے آجاتی ہے کہ طلاق دینے کا اصل شرعی طریقہ یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ دو طلاق تک پہنچا جائے، تیسری طلاق تک نوبت پہنچانا مناسب نہیں۔ الفاظِ آیت 'الطلاق مرتان' کے بعد تیسرے طلاق کو حرف 'اِن' کے ساتھ فاِن طلقھا فرمانے میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے، ورنہ سیدھی تعبیر یہ تھی کہ الطلاق ثلاثٌ کہا جاتا، اس کو چھوڑ کر یہ تعبیر اختیار کرنے میں واضح اشارہ ہے کہ تیسری طلاق تک پہنچنا نہیں چاہیے، یہی وجہ ہے کہ امامِ مالکؒ اور بہت سے فقہا نے تیسری طلاق کو صرف اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ الگ الگ تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں۔ ان فقہا کی اصطلاح میں اس کو بھی طلاقِ سنت کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے، مگر اس کا مطلب کسی کے نزدیک یہ نہیں کہ اس طرح تین طلاقیں دینا مسنون اور محبوب ہے بلکہ طلاقِ بدعت کے مقابلے میں اس کو طلاقِ سنّت اس معنی میں کہہ دیا گیا کہ یہ صورت بھی بدعت میں داخل نہیں۔

طلاق دینے کا بہتر طریقہ

قرآن وسنت کے ارشادات اور تعاملِ صحابہؓ وتابعینؒ سے عددِ طلاق کے متعلق جو کچھ ثابت ہوتا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ بچے تو طلاق کا احسن طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق حالتِ طہر میں دے دے، جس میں مجامعت نہ کی ہو اور یہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ اس صورت میں عدّت ختم ہونے کے ساتھ رشتۂ نکاح خود ٹوٹ جائے گا، اس کو فقہا نے 'طلاقِ احسن' کہا ہے اور حضراتِ صحابہ کرامؓ نے اسی کو طلاق کا بہتر طریقہ قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مصنَّف میں حضرت ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ طلاق دینے میں اس طریقے کو پسند کرتے تھے کہ صرف

ایک طلاق دے کر چھوڑ دی جائے اور عدّتِ طلاق تین حیض پورے ہونے دیے جائیں تاکہ عورت آزاد ہو جائے۔

ویسے قرآنِ کریم کے الفاظِ مذکورہ سے اس کی بھی اجازت نکلتی ہے کہ دو طلاق تک دے دی جائیں مگر 'مرتان' کے لفظ میں اس طرف اشارہ فرمادیا کہ دو طلاق بہ یک لفظ و بہ یک وقت نہ ہوں، بلکہ دو طہروں میں الگ الگ ہوں، اس لیے کہ 'الطلاق طلاقان' سے بھی دو طلاق کی اجازت ثابت ہوسکتی تھی مگر 'مرتان' ایک ترتیب و تراخی کی طرف مشیر ہے، جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ دو طلاقیں ہوں تو الگ الگ ہوں۔ مثال سے یوں سمجھیے کہ کوئی شخص کسی کو دو روپئے ایک دفعہ دے دے تو اس کو دو مرتبہ دینا نہیں کہتے، الفاظِ قرآن میں دو مرتبہ دینے کا مقصد یہی ہے کہ الگ الگ طہر میں دو طلاق دی جائیں۔ بہ ہر حال! دو طلاقوں تک قرآنِ حکیم کے الفاظ ثابت ہیں، اس لیے بہ اتفاقِ ائمہ وفقہا یہ طلاقِ سنّت میں داخل ہے یعنی بدعت نہیں۔

دو طلاق کے بعد

جس شخص نے یہ دو درجے طلاق کے طے کر لیے، اس کے لیے یہ ہدایت دی گئی: فَإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان۔ اس میں فامساك بمعروف کے لفظوں میں دو حکم بتلائے گئے؛ (۱) اول یہ کہ عدت کے دوران رجعت کر لینا نکاحِ جدید کا محتاج نہیں، بلکہ صرف امساک یعنی طلاق سے رجعت کر کے روک لینا کافی ہے، اگر ایسا کر لیا تو سابق نکاح ہی کی بنیاد پر تعلقِ زوجیت بہ حال ہو جائے گا۔ (۲) دوسرے اس میں شوہر کو یہ ہدایت دی گئی کہ اگر اس کا ارادہ اصلاحِ حال اور صلح وصفائی کے ساتھ زندگی گزارنے کا

ہے، تب تو رجعت پر اقدام کرے ورنہ چھوڑ دے کہ عدت گذر کر زوجیت ختم ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ بغیر ارادۂ اصلاح کے محض عورت کو پریشان کرنے کے لیے رجعت کرے، اس کے بالمقابل أو تسریح بإحسان فرمایا۔ 'تسریح' کے معنی کھول دینے اور چھوڑ دینے کے ہیں، اس سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ قطعِ تعلق کے لیے مزید کسی عمل کی ضرورت نہیں، بغیر رجعت کے عدت ختم ہو جانا ہی تعلقاتِ زوجیت ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔

طلاقِ بدعت

تیسری طلاق کے غیر مستحسن ہونے کی طرف تو خود اسلوبِ قرآن میں واضح اشارہ پایا جاتا ہے، اس کے غیر مستحسن ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں اور حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ارشاد سے تیسری طلاق کا خصوصیت سے مبغوض و مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اسی بنا پر حضرت امام مالکؒ اور بعض دوسرے ائمۂ فقہا نے تیسری طلاق کو مطلقاً ناجائز اور طلاقِ بدعت قرار دیا ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے 'الطلاق مرتان' فرمایا، تیسری طلاق کا یہاں کیوں ذکر نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'تسریحٌ باحسان' جو بعد میں مذکور ہے، وہی تیسری طلاق ہے۔ مطلب اس کا جمہور علما کے نزدیک یہ ہے کہ جو کام تعلقاتِ زوجیت کے کُلّی انقطاع کا تیسری طلاق سے ہوتا ہے، وہی کام اس طرزِ عمل سے ہو جائے گا۔۔۔ اگر کسی نے تیسری طلاق دے ہی ڈالی تو اب اس نے شریعت کی دی ہوئی ساری آسانیوں کو نظر انداز کر کے بلا وجہ و بلا ضرورت ختم کر دیا، جس کی سزا یہ ہے کہ اب وہ رجعت کر سکتا ہے نہ بغیر اپنی بیوی کی دوسری شادی کے اُس سے نکاح کر سکتا ہے۔

تین طلاق کا وقوع

نیز کسی فعل کا جرم و گناہ ہونا اس کے مؤثر ہونے میں کہیں بھی مانع نہیں ہوتا۔ قتلِ نا حق جرم و گناہ ہے، مگر جس کو گولی یا تلوار مار کر قتل کیا گیا ہے، وہ قتل ہو ہی جاتا ہے، اس کی موت تو اس کا انتظار نہیں کرتی کہ یہ گولی جائز طریقے سے ماری گئی ہے یا ناجائز طریقے سے! چوری کرنا بہ اتفاقِ مذاہب جرم و گناہ ہے، مگر جو مال اس طرح غائب کر دیا گیا ہو وہ تو ہاتھ سے نکل ہی جاتا ہے! اسی طرح تمام معاصی اور جرائم کا یہی حال ہے کہ ان کا جرم و گناہ ہونا اُن کے مؤثر ہونے میں مانع نہیں ہوتا۔ اس اصول کا مقتضی یہی ہے کہ شریعت کی دی ہوئی آسانیوں کو نظر انداز کرنا اور بلا وجہ اپنے سارے اختیاراتِ طلاق کو ختم کر کے تین طلاق تک پہنچنا اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضی کا سبب ہوا اور اسی لیے یہ فعل غیر مستحسن اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے، مگر ان سب باتوں کے باوجود جب کسی نے ایسا اقدام کر لیا، تو اس کا وہی اثر ہونا چاہیے جو جائز طلاق کا ہوتا، یعنی تین طلاق واقع ہو جائیں اور رجعت ہی کا اختیار نہیں، بغیر ایک خاص صورت کے نکاحِ جدید کا اختیار بھی سلب ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ اس پر شاہد ہے کہ اظہارِ غضب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں طلاقوں کو نافذ فرما دیا، جس کے بہت سے واقعات کتبِ حدیث میں مذکور ہیں اور جن علما نے اس مسئلے پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان میں ان واقعات کو جمع کر دیا ہے۔ (ماخوذ از معارف القرآن:1/555-563)



مصادرومراجع

قرآن وتفسیر
القرآن الکریم
تفسیر ابن کثیر
تفسیرِ رازی
تفسیر درِ منثور
احکام القرآن للقرطبی
انوار التنزیل للبیضاوی
تفسیرِ طبری
تفسیرِ مظہری
تفسیرِ منار
تفسیر بیان القرآن
تفسیر بیان القرآن
تفسیرِ ماجدی
احادیث
صحیح بخاری
سننِ ابو داؤد
سننِ ترمذی
سننِ ابن ماجہ
سننِ نسائی
مؤطا امام مالک
مؤطا امام محمد
مسند احمد ابنِ حنبل
سننِ دارمی
سننِ بیہقی
مصنف عبدالرزاق

مصنف ابن ابی شیبہ
معجم الکبیر طبرانی
تحفۃ الاشراف
مشکوٰۃ المصابیح
شروحِ احادیث
فتح الباری
عمدۃ القاری
مرقاۃ المفاتیح
مظاہرِ حق جدید
اعلاء السنن
فقہ وفتاویٰ
المبسوط السرخسی
المغنی لابن قدامہ
المنتقیٰ
کتاب الام
المحلی
المعونۃ علی مذہب عالم
المدینہ
بدایۃ المجتہد
الہدایہ
الدر المختار مع الرد
فتاویٰ شامی
العنایۃ علی الہدایۃ
فتح القدیر
البنایۃ

بدائع الصنائع
البحر الرائق
فتاویٰ قاضی خان
فتاویٰ عالمگیری
الموسوعۃ الفقہیہ الکوتیہ
فتاویٰ دار العلوم دیوبند
امداد الفتاویٰ
امداد الاحکام
الحیلۃ الناجزہ
بہشتی زیور
فتاویٰ محمودیہ جدید
فتاویٰ رحیمیہ جدید
احسن الفتاویٰ
فتاویٰ بینات
آپ کے مسائل اور ان کا حل
فتاویٰ مفتی محمود
کتاب الفتاویٰ
جدید فقہی مسائل
موبائل فون کے ذریعے نکاح و طلاق
متفرقات
زاد المعاد
میزان الکبریٰ للشعرانی
قوامیس و لغات
مفردات القرآن
قاموس الفقہ